حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ کی ایام اسیری کی تقاریر

ابرِ کرم

گل محمد فیضی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

انتساب

ملتِ اسلامیہ کے ہر اُس فرد کے نام جس نے مقامِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نفاذ کیلئے ماضی میں کسی بھی قسم کی قربانی دی.....اَب دے رہا ہے.....یا مستقبل میں دے گا۔

بہ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہ رساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ اُو نہ رسیدی، تمام بولہبی است

(اقبال)

حرفِ اوّل

مارچ 1977ء میں انتخابات کے نام پر.....حکومت نے جو ڈرامہ کھیلا اور پاکستان کے غیّور عوام کے ساتھ جو سنگین مذاق کیا تھا اس نے عوام کو غیظ و غضب سے دیوانہ کر دیا۔ حکومت نے عوام کے ردِّ عمل کو روکنے کیلئے ملک بھر میں دفعہ 144 نافذ کر دی اور ہر قسم کے جلسے اور جلوس خلافِ قانون قرار دے دیئے گئے۔

پاکستان قومی اتحاد کے قائدین کی بصیرت افروز اور ولولہ انگیز قیادت نے مشتعل جذبات کو قطعاً بے قابو نہ ہونے دیا اور نہ ہی ان جذبات سے کوئی فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی۔ قومی اتحاد نے ہدایات جاری کیں کہ اس کے کارکن دفعہ 144 کی خلاف ورزی کرتے ہوئے جلسے اور جلوسوں کا اہتمام کریں اور چھ کارکن باقاعدگی سے رضا کارانہ اپنی گرفتاریاں پیش کریں۔ ان ہدایات پر عوام نے پوری طرح عمل کرنا شروع کر دیا۔ وہ دیوانہ وار سراپا احتجاج گلیوں اور بازاروں میں نکل آئے۔ اور نام نہاد وزیرِ اعظم کے استعفیٰ، جعلی اسمبلیاں توڑ کر فوج اور عدلیہ کی زیرِ نگرانی نئے سرے سے آزادانہ اور منصفانہ انتخاب کرانے کا مطالبہ شدت پکڑتا گیا۔ خیبر سے کیماڑی تک ملک کا بچہ بچہ ان مطالبات پر چٹان کی طرح ڈٹ گیا۔ حکمرانوں نے عوام کا یہ جوش جنون دیکھا تو ان کے اوسان خطا ہو گئے ذہنی توازن بگڑنے لگا اور ان کے اقتدار کی نیّا ڈولنے لگی۔ انہوں نے پاگل پن کی اسی کیفیت میں یہ نادر شاہی حکم جاری کیا کہ آئندہ جو بھی دفعہ 144 کی خلاف ورزی کرے گا اُسے دیکھتے ہی گولی ماردی جائے گی۔ ریڈیو پر اس اعلان کو بار بار نشر کیا گیا تا کہ عوام پر خوف و ہراس مسلط کر کے انہیں دفعہ 144 کی خلاف ورزی سے باز رکھا جا سکے۔ لیکن عوام کے سیلِ بے پناہ کے سامنے سارے احکام تنکے کی طرح بہنے لگے۔ ملک کی سڑکیں اور گلیاں عوام کے خون سے لالہ زار بنتی رہیں۔ لیکن اقتدار کے نشہ میں بدمست حکمران بھول بھلیوں میں مصروف رہے۔

مفکرِ اسلام ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب جنہوں نے حکمرانوں کو قدم قدم پر ان کی غلطیوں پر ٹوکا اور حقائق سے مسلسل آگاہ کیا۔ جن کے دل میں عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نورانی شمع فروزاں ہے جو محبوب حجازی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدموں پر اپنا سب کچھ قربان کر دینا ہی زندگی کا مقصدِ وحید سمجھتے تھے۔ اپنے آقا کی غلامی ہی جن کی زندگی کا حاصل ہے۔ جن کے پورے خاندان نے تحریکِ پاکستان میں رات دن اسی لئے کام کیا تھا کہ ایک ایسا خطہ زمین حاصل ہو جائے جہاں نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پرچم لہرائے۔ جو ہمیشہ سے اسلام کے حیات بخش نظام کے نفاذ کیلئے برسرِ پیکار ہیں۔ جو حق و صداقت کا پیکر اور جرأت و عزیمت کا مجسمہ ہیں۔ اسلاف کی ایثار و قربانی کا نمونہ اور اسلام کی عزت و ناموس پر نچھاور ہونے کیلئے ہمہ وقت تیار اور مضطرب! اس موقع پر کیسے خاموش رہ سکتے تھے؟ جب پوری قوم ایک ظالم و جابر حکمران کے خلاف جنگ لڑ رہی تھی۔ جب عوام لادینی نظریات کے خلاف سینہ تانے گولیاں کھا رہے تھے۔

چنانچہ یکم اپریل 1977 کو آپ نے قومی اتحاد کے فیصلہ کے مطابق اپنے رفقاء محترم میاں افتخار احمد لاہوری صاحب، محترم خان بیگ صاحب، محترم صوفی عبدالقادر صاحب، محترم حاجی رحیم بخش صاحب اور راقم الحروف سمیت گرفتاری پیش کرنے کا اعلان کر دیا۔ یہ اعلان صرف ایک روز قبل کیا گیا۔ یکم اپریل کو عوام کا جوش و خروش دیدنی تھا۔ سیالکوٹ، لاہور، واہ کینٹ، سرگودھا سے عموماً اور علاقہ بھر سے خصوصاً عوام کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر بھیرہ کی جانب بڑھ رہا تھا۔ درخشاں چہرے جن سے عزم و یقین مترشح، آنکھوں میں جذبات و احساسات کی چمک اور فرطِ جذبات سے آنسو رواں، حق کیلئے قربان ہونے کا جذبہ اور کفر کو ملیا میٹ کر دینے کی خواہش کیلئے مجاہدین نے نمازِ جمعہ حضرت قبلہ پیر صاحب مدظلہ کے ساتھ پڑھی۔

نمازِ جمعہ کے بعد حضرت ضیاء الامت نے ملکی حالات، اس کے پس منظر اور پیش منظر پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ دل سے نکلے ہوئے یہ الفاظ سامعین کے قلب و جگر میں پیوست ہوتے گئے۔ ہر سامع بیقرار تھا، مضطرب تھا، تقریر کے بعد حضرت ضیاء الامت کی طرف سے ایک مطبوعہ بیان حاضرین میں تقسیم کیا گیا۔

بیان کی تقسیم کے بعد حضرت ضیاء الامت اپنے رفقاء کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ عوام فرطِ عقیدت سے آپ کی طرف بڑھے۔ کوئی ہاتھ ملا رہا ہے، کوئی دست بوسی کر رہا ہے تو کوئی اس قافلہ تسلیم و رضا کی قسمت پر رشک کرتا ہوا دعا کیلئے التجائیں کر رہا ہے۔ اس وقت جو منظر تھا، اسے بیان کرنے کی تاب نہیں۔

تھوڑی دیر بعد جامع مسجد آستانہ عالیہ قبلہ پیر امیر شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ایک عظیم الشان اور پُر وقار جلوس قبلہ پیر صاحب مدظلہ کی سرکردگی میں تین بجے رواں ہوا۔ گلیوں اور بازاروں میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ حدِ نظر تک انسان ہی انسان تھے، جو

ہماری جان ہماری آن گنبدِ خضریٰ پر قربان نا منظور نا منظور ..... شاہی نا منظور
غلام ہیں غلام ہیں رسول کے غلام ہیں توڑدو توڑدو جعلی اسمبلی توڑدو

کے فلک شگاف نعرے لگا رہے تھے، جلوس چک والا دروازہ جا کر ختم ہونا تھا۔ ابھی جلوس نے آدھے سے بھی کم فاصلہ طے کیا تھا کہ پولیس نے راستہ روک لیا اور گرفتاریاں پیش کرنے والے افراد کو بس میں سوار ہونے کو کہا۔ مگر جوش و خروش کے اس بحرِ بے کراں کے سامنے سارے انتظامات معطل ہو گئے اور بس آگے چلی گئی۔ مکانوں کی چھتوں پر سے عورتیں اور بچے فرطِ جذبات سے گل پاشی کر رہے تھے۔ ایک جگہ پر پھر پولیس نے جلوس ختم کرنے کی اپیل کی لیکن یہ اپیل بھی غیر مؤثر ہو گئی۔ ڈیوٹی مجسٹریٹ بھی ہمراہ تھے ان کے سارے منصوبے ناکام ہو گئے تو وہ خود دروازہ چک والا چلے گئے۔ جلوس بھی رواں دواں دروازے چک والا پہنچ گیا۔ حضرت ضیاء الامت مدظلہ نے یہاں شرکاء سے پھر خطاب کیا۔ تحریکِ نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عزم و ہمت کے ساتھ جاری رکھنے کی تاکید کی اور فرمایا، جو میرے مریدین یا متعلقین میں سے ہو وہ گرفتاری پیش کر کے جیل کے اندر مجھے آ کر ملے۔ سلاخوں سے باہر ملاقات کیلئے بے شک کوئی نہ آئے۔

اس کے ساتھ ہی آپ نے آنے والوں کا شکریہ ادا کیا اور اپنے رفقاء سمیت بس میں سوار ہوگئے۔ عوام نے بس کو گھیر لیا۔ تھوڑی دیر پولیس اور عوام میں آنکھ مچولی ہوتی رہی۔ پولیس پروانوں کے ہجوم سے بس نہ نکال سکی تو عوام کے محبوب قائد حضرت ضیاء الامت مدظلہ نے آگے بڑھ کر راستہ چھوڑ دینے کیلئے کہا اور اس طرح حضرت قبلہ پیر صاحب ہزاروں افراد کو اشک بار چھوڑ کر ڈسٹرک جیل سرگودھا میں دیگر اسیروں سے جا ملے۔

جیل میں شب و روز کیسے گزرے؟ یہ ایک الگ داستان ہے۔ اس وقت سننے کی نہ سنانے کی! پھر کبھی سہی!

جیل میں احباب کے اصرار و پیہم پر آپ نے نمازِ فجر کے بعد درسِ قرآن و حدیث کا سلسلہ شروع فرمایا۔ یہ خطاب پندرہ بیس منٹ کا ہوتا تھا۔ پہلی تقریر کے ساتھ ہی مجھے یہ احساس ستانے لگا کہ کاش یہ گنج ہائے گراں مایہ محفوظ ہو جاتا۔ لیکن ہمارے لئے جیل میں کاغذ اور قلم رکھنا ایک سنگین جرم تھا۔ جیسے بھی ہوا اس کا انتظام کر لیا گیا اور اس کا نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔

یہ تمام تقاریر خطاب کے دوران نوٹ کی گئی ہیں۔ مقرر کے ساتھ ساتھ اُس کی تقریر کو من و عن نوٹ کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے پھر ایسے وقت میں جب جیل کی چار دیواری میں لکھنا ایک جرم بھی ہو، پکڑے جانے کا اندیشہ رفتار کو ویسے بھی متاثر کر دیتا ہے۔ مجھے اس میں کہاں تک کامیابی ہوئی آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔

تقریر اور تحریر کے انداز میں فرق ہوتا ہے۔ اگر تقریر کو مقالہ بنا کر پیش کر دیا جائے تو شاید وہ زیادہ جامع ہو جائے لیکن میرے خیال میں تقریر کا اپنا انداز ہی سب سے نرالا اور دل پذیر ہوتا ہے جس میں بعض اوقات مکرّرات قندِ مکرّر کا مزا دیتے ہیں۔ میں نے اس بات کو خاص طور پر پیشِ نظر رکھا ہے کہ تقریر کا اپنا انداز برقرار رہے۔ مجھے اُمید ہے کہ مطالعہ کرتے وقت یہ بات پیشِ نظر رہے گی۔

جیل سے رِہائی کے بعد میں نے مسودہ صاف کر کے لکھا۔ قبلہ پیر صاحب مدظلہ اپنی بے پناہ مصروفیات کی بناء پر اس پر نظرِ ثانی نہ فرما سکے اور یہ کام میرے خصوصی مہربان جناب پروفیسر حافظ احمد بخش صاحب (ایم اے) نے سرانجام دیا جس کیلئے میں اُن کا بے حد ممنون ہوں۔

حضرت ضیاء الامت مدظلہ نے یکم ۱۹۷۷ء کو اپنے رفقاء سمیت گرفتاری پیش کی۔ ۱۴ اپریل ۱۹۷۷ء کو پہلی تاریخ پیشی پر ہی آپ کو ساتھیوں سمیت مجسٹریٹ بھلوال نے چار ماہ قید بامشقت کا حکم سنایا۔ جسے بعدہ سیشن جج صاحب سرگودھا نے کالعدم قرار دے دیا۔ اس طرح آپ ۳۷ روز جیل میں رہے۔ چودہ روز ناسازیٔ طبع کی وجہ سے خطاب نہ فرما سکے اور تین چار تقاریر میں نوٹ نہ کر سکا۔ بقیہ ۱۸ تقاریر کا مجموعہ پیش خدمت ہے۔

اسلام اور اسلامی معاشرت کے مختلف پہلوؤں پر یہ مختصر تقاریر ایک گراں قدر سرمایہ ہیں۔ اِن میں آبشاروں کا ترنم، شبنم کی پاکیزگی، پھولوں کی شگفتگی اور بہاروں کی دلکشی پائی جاتی ہے۔ آنکھوں کے راستے دل میں اُتر جانے والا روح پرور پیغام جو ایک مردِ مومن کی زبانِ اقدس سے نکلا ہے، آپ کے دل کی دنیا میں ایک عظیم انقلاب برپا کر دے گا۔

اگر آپ کو کہیں کوئی خامی نظر آئے تو اسے میری کم مائیگی اور مجبوری سمجھیں اور اپنی قیمتی آراء سے مجھے آگاہ فرماتے رہیں۔

آخر میں مَیں شکریہ ادا کرتا ہوں مجاہد ختمِ نبوت صاحبزادہ محمد امین الحسنات شاہ صاحب بھیرہ شریف، حکیم ملت حضرت جناب محمد موسیٰ صاحب امرتسری لاہور، علامہ محمد مختار احمد ضیاء، مولانا افتخار علی چشتی فاضل بھیرہ شریف، مولانا عبدالرسول ارشد لاہور، ملک محمد رمضان انجم ڈھل شریف کا جن کے خلوص و تعاون، حوصلہ افزائی اور قیمتی مشوروں سے یہ کام اتنی جلدی پایہ تکمیل کو پہنچا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیبِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل اس کاوش کو منظور و مقبول فرمائے اور ہم سب کیلئے مفید۔ آمین

مخلص

گل محمد فیضی

الکرم، ڈھل شریف، ضلع سرگودھا

۲۶ ذی قعدہ ۱۳۹۷ھ

۹ نومبر ۱۹۷۷ء

تعارف

مفکر اسلام، ضیاء الامت..... حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب مدظلہ

آفتاب سے زیادہ روشن چہرہ۔ جس کی چمک سے ظلمتیں دور اور اندھیرے کافور ہو جاتے ہیں۔ سوچ میں ڈوبی ہوئی حسین آنکھیں جس کی ہیبت کے سامنے لوگوں کی آنکھیں جھکی رہتی ہیں۔ موسلا دھار بارش کی طرح فیض رساں، نرم خو، خوش خُلق، خوش مزاج، جن کا قرب نجات دینے والا اور پناہ دینے والا ہے..... یہ ہیں حضرت ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ صاحب مدظلہ۔

پیر صاحب ہمارے ملک کے اس طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں جو بیک وقت ایک عالم دین، صاحبِ علم، صحافی اور سیاستدان کے روپ میں انسانیت کی بھلائی کیلئے موجود رہتے ہیں۔ (افریشیا، ہفت روزہ، شمار ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۷ء)

خاندان

آپ کا سلسلۂ نسب حضرت غوث العالمین شیخ الاسلام بہاء الحق والدین ابو محمد زکریا ملتانی سے جا ملتا ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے:۔

حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب بن حضرت پیر محمد شاہ صاحب بن حضرت پیر امیر شاہ صاحب بن حضرت پیر شاہ صاحب بن حضرت شمس الدین شاہ بن حضرت عبداللہ شاہ صاحب بن حضرت محمد غوث صاحب بن غلام محمد حسین صاحب بن شیخ محمد بن شیخ محمود بن شیخ احمد بن شیخ نظام الدین بن شیخ شمس الدین لاہوری بن شیخ صدر الدین بادشاہ بن شہر اللہ صاحب سجادہ بن شیخ یوسف بن شیخ عماد الدین بن شیخ رکن الدین سمرقندی بن شیخ صدر الدین حاجی بن شیخ اسماعیل بن شیخ الاسلام حضرت مولانا صدر الدین عارف باللہ فرزندِ اکبر و خلیفہ الشیخ المنیر غوث العالمین شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا الہاشمی الاسدی السہروردی ملتانی۔

﴿قدس سرہ العزیز، رحمہم اللہ اجمعین﴾

آپ کے خاندان کے ایک باکمال فرد حضرت دیوان پیر فتح شاہ صاحب اپنے خاندان کے ساتھ تقریباً تین صدیاں پہلے لاہور سے بھیرہ منتقل ہوئے۔ اس خانوادہ غوثیت کی عزت و شہرت کو چار چاند لگانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے حضرت پیر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو فرزند ارجمند عطا فرمایا جو امیر السالکین حضرت پیر امیر شاہ صاحب کے نام نامی سے معروف ہوئے۔ آپ قطب العارفین، شمس الحق والدین خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بیعت ہوئے اور خلعتِ خلافت سے بھی سرفراز ہوئے۔ آپ نے ساری زندگی خلقِ خدا کی اِصلاح اور مریدین کے تزکیہ نفس اور سنتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی کا شوق دِلانے میں بسر کی۔ نوّے سال کی عمر میں بروز سہ شنبہ ۱۰ جمادی الثانی ۱۳۴۶ھ کو دارِ فانی سے عالمِ باقی کی طرف رختِ سفر باندھا۔

آپ کے صاحبزادے امیرِ جنداللہ، غازیٔ اسلام، حضرت پیر حافظ محمد شاہ تقریباً ۱۸۹۰ء میں بھیرہ ضلع سرگودھا میں رونق افزائے دار دُنیا ہوئے۔ والد گرامی نے آپ کی تربیت بڑی توجہ سے فرمائی اور مناسب وقت پر حضرت خواجہ مولانا ضیاء الملت والدین محمد ضیاء الدین سیالوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بیعت کرادیا۔ حضرت خواجہ نے مختلف ریاضتیں کرانے کے بعد آپ کو خرقہ خلافت عطا فرمایا۔

مفکر اسلام حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب آپ ہی کے صاحزادے ہیں اور رُشد و ہدایت تبلیغ اسلام کا وہ چراغ جو آپ کے آباء واجداد نے فروزاں کیا اُسے خونِ ناب اور سوزِ جگر سے روشن کئے ہوئے ہیں۔

ولادت و تربیت

آپ نسباً ہاشمی قریشی مشرباً چشتی نظامی اور مسلکاً حنفی ہیں۔ ۲۱ رمضانُ المبارک ۱۳۳۶ھ مطابق یکم جولائی ۱۹۱۸ء بروز دوشنبہ بوقتِ شب بھیرہ شریف میں آپ کی ولادتِ باسعادت ہوئی۔ آپ کے والد گرامی نے آپ کی تربیت ایسی خصوصی توجہ سے فرمائی کہ رشکِ مہر و ماہ بنادیا۔

تعلیم

والد گرامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آپ کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ دینی علوم کی تکمیل کیلئے اپنے قائم کردہ دارالعلوم محمدیہ غوثیہ میں اپنے دَور کے چوٹی کے فضلاء کو مدعو کیا۔ علومِ عقلیہ کی تعلیم کیلئے امام المناطقہ مولانا محمد دین بدھوی (ضلع کیمبل پور) فقہ، تفسیر، اَدب، عروض اور ریاضی وغیرہ کیلئے قدوۃ الفضلاء مولانا غلام محمود قدس سرہ (پپلاں ضلع میانوالی) کو مقرر کیا۔ دورۂ حدیث کیلئے آپ صدرالافاضل قائدِ اہلسنّت مولانا سیّد محمد نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں ۱۹۴۲ء میں جامعہ نعیمیہ مرادآباد گئے۔ جامعہ نعیمیہ مرادآباد میں اپنے ایک سالہ قیام کے دوران میں آپ نے اپنی لیاقت و قابلیت کے اَن مِٹ نقوش حضرت صدرالافاضل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قلب و ذہن پر نقش کئے۔ آپ کو دستارِ فضیلت حضرت دیوان صاحب آلِ رسول اجمیری نے بندھائی۔ اس موقع پر حضرت صدرالافاضل نے فرمایا، میں آج مطمئن ہوں کہ میرے پاس جو امانت تھی وہ میں نے موزوں فرد تک پہنچادی۔

بعدازاں پنجاب یونیورسٹی سے ۱۹۴۵ء میں بی اے کیا۔ مزید تعلیم کیلئے آپ ۱۹۵۱ء میں جامعہ الازہر مصر تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے تین سال قیام کیا۔ آخری امتحان میں پورے جامعہ الازہر میں دوسری پوزیشن حاصل کی اور 'کلیۃ الشرعیۃ الاسلامیۃ' (قانونِ اسلامی) کی سب سے بڑی ڈگری لے کر واپس تشریف لائے۔

بیعت

ابتدائی تربیت آپ کے والد ماجد نے خود بڑی توجہ سے فرمائی۔ اپنی زیرنگرانی علم وعرفان اور سلوک ومعرفت کی مختلف منازل طے کرانے کے بعد مصر جانے سے قبل ہی حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی سے بیعت کرادیا۔ حضور پیر سیال نے باطنی فیوض و برکات سے مالا مال کر کے اجازت وخلافت سے نوازا۔ آپ کو اپنے پیر ومرشد سے حد درجہ عقیدت ومحبت ہے۔ کئی تشنگانِ روحانیت نے آپ سے بیعت کی خواہش کا اظہار کیا لیکن آپ نے انہیں پیر ومرشد کی بارگاہ میں حاضر ہوکر شرفِ بیعت حاصل کرنے کی تلقین کی۔

تاندلیا نوالہ سے غفور احمد شاہین صاحب کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں، میری رائے یہ ہے کہ آپ سیال شریف حاضر ہوکر فوراً بیعت کرلیں۔ میری نظروں میں تو اِس وقت حضرت سیالوی سے بہتر کوئی نہیں۔ (مکتوب محررہ 8-6-1975)

ایک اور خط میں آپ حافظ غلام رسول چشتی صاحب کو لکھتے ہیں، میں سیال شریف کے خاک کے ذرّوں کو اپنا سُرمہ بصیرت تصور کرتا ہوں اور وہاں کی غلامی پر ناز کرتا ہوں۔ اگر آپ نے وہاں رشتہ عقیدت جوڑا ہے تو یہ چیز میرے لئے باعثِ مسرت ہے۔ (مکتوب محررہ 11-11-1975)

اس وقت آپ کے مریدین ومعتقدین اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک کثیر تعداد میں پھیلے ہوئے ہیں اور جہاں بھی ہیں دین ومذہب کی عظیم خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

مصروفیات

دنیا میں اپنے لئے زندہ رہنے والوں کا حد وشمار نہیں لیکن وہ مقدس ومحترم نفوس بہت ہی کم ہیں جو اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا اور خوشنودی کیلئے وَقف کر دیتے ہیں۔ حضرت ضیاء الامت مدظلہ کی ذاتِ گرامی اس لحاظ سے ممتاز ہے کہ آپ کا ہر سانس اپنے مقصد کی ترویج واشاعت کیلئے صَرف ہو رہا ہے۔ مقصد کیا ہے؟ فرماتے ہیں، میری زندگی کی مقدس آرزو یہ ہے کہ مملکتِ خداداد پاکستان کے صرف عائلی قوانین ہی نہیں بلکہ اس کے تمام قوانین فوجی، دیوانی، اقتصادی سب کے سب کتاب وسنت کے عین مطابق ہوں اور مجھے میری یہ آرزو اپنی زندگی سے بھی عزیز تر ہے۔ (مکتوب بنام میاں محمد اسلم صاحب سیالکوٹ۔ مورخہ 27-3-1968)

زندگی میں اپنے مقصد تک پہنچنے کیلئے ذرا آپ کی بے قراری کا تصور فرمائیں۔ ڈاکٹر محمد اعظم صاحب (انگلینڈ) کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں، زندگی کا لطف اسی میں ہے۔ جو زندگی مقصد سے خالی ہو یا جس زندگی میں مقصد تک پہنچنے کی بے تاب آرزوئیں مچل نہ رہی ہوں وہ زندگی بندۂ مومن کی نہیں ہوسکتی۔

آپ نے ہمیشہ اس بات کی تلقین کی ہے کہ زندگی کا کوئی لمحہ بھی بیکار نہیں گزرنا چاہئے اور ہر لمحہ دین حق کی تبلیغ واشاعت میں گزرنا چاہئے۔ اس مقصد کی ترویج کیلئے آپ نے جامعہ ازہر مصر سے واپسی پر اپنے والد گرامی کے قائم کردہ دارالعلوم محمدیہ غوثیہ کو نئی بنیادوں پر استوار کیا اور اسے جدید وقدیم علوم کا حسین امتزاج بنا دیا۔ جہاں طلباء کو فاضل عربی کے ساتھ معاشیات، سیاسات اور انگریزی کے ساتھ بی اے بھی کرایا جاتا ہے تاکہ یہاں کے فارغ التحصیل علماء حالاتِ حاضرہ پر مکمل عبور رکھتے ہوں اور بقول آپ کے 'اُن کی دونوں آنکھیں بینا ہوں'۔

اس شجر طیبہ کی آبیاری آپ بڑی ہی محنت وریاضت سے فرما رہے ہیں۔ جب جامعہ اسلامیہ بہاولپور کی بنیاد رکھی گئی تو اس کو چلانے کیلئے آپ کو پیشکش کی گئی۔ لیکن آپ نے صاف انکار فرما دیا۔

مورخِ اسلام مولانا نور احمد فریدی صاحب راقم الحروف کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں، اِن ایام میں محکمہ اوقاف نے بہاولپور میں جامعہ اسلامیہ کی بنیاد رکھی۔ میں نے محکمہ اوقاف کو لکھا ہے کہ اس جامعہ کو چلانے کیلئے بہترین شخص پیر محمد کرم شاہ صاحب ہی ہوسکتے ہیں۔ مجھے جواب ملا کہ ہم نے ان کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کی تھی، مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ وہ فرماتے ہیں کہ جو دارالعلوم میرے والد بزرگوار مرحوم نے قائم کیا ہے اس کا مجھ پر زیادہ حق ہے۔ میں اس کا انتظام سنبھالوں گا۔ (مکتوب 10-12-1975)

چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا۔ اپنی ساری توجہات اپنے دارالعلوم پر مرکوز کر دیں اور مختصر وقت میں اسے اَوجِ ثریا تک پہنچا دیا۔

غالباً دو سال قبل کا واقعہ ہے۔ دفتر ضیاء القران پبلی کیشنز، لاہور میں چند علماء آپ کو ملے اور حکومت کی طرف سے شاہی مسجد کی خطابت کی پیشکش کی۔ لیکن آپ نے اپنی مصروفیات کی بناء پر معذوری ظاہر کردی۔ نیز فرمایا یہاں آکر میں شاید حق کا اظہار صحیح انداز میں نہ کرسکوں۔ اس لئے میں یہ منصب قبول نہیں کرسکتا۔

مختصر یہ کہ اس مردِ مجاہد کی زندگی کا ایک ایک لمحہ جہاد میں بسر ہو رہا ہے۔ آپ اپنے مریدین اور متعلقین کو خدمتِ دین کی نصیحت فرماتے ہیں اور خود 'میر کارواں' کی حیثیت سے صفِ اوّل میں سرگرم عمل نظر آتے ہیں۔

جو شخص صبح سے نمازِ ظہر تک دارالعلوم میں دیگر اساتذہ کی طرح سارے پیریڈ خود بھی پڑھاتا ہو۔ تفسیر 'ضیاء القرآن' کا کام بھی کرتا ہو، ماہنامہ 'ضیائے حرم' کی ادارت کے فرائض بھی انجام دے رہا ہو۔ اپنی نجی مصروفیات کیلئے بھی وقت نکالتا ہو۔ مریدین کے ساتھ بھی وقت صَرف کرتا ہو۔ اور سیاست کے میدان میں بھی ایک مجاہد کی طرح پسِ دیوارِ زنداں تک جانے کیلئے تیار ہو۔ اُس کی عظمت و رفعت کا آپ خود اندازہ فرما سکتے ہیں۔

الغرض پیر محمد کرم شاہ ایک شخصیت ایک ذات کا نام نہیں۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ وہ ایک کردار ہے۔ انجمن ہے۔ بزم ہے۔ مقصد ہے اور مقصد تک پہنچانے کا ایک ذریعہ ہے۔ ہم اُن کیلئے بزبانِ شاعر یہی کہہ سکتے ہیں ؎

تیرا وجود فخر نظام حیات ہے　　تو محض ایک ذات نہیں کائنات ہے

اولاد امجاد

حضرت ضیاء الامت مدظلہ کی اولادِ امجاد میں تین صاحبزادیاں اور چھ صاحبزادے ہیں۔ صاحبزدگان، مجاہدِ ختمِ نبوت و قافلہ سالار تحریکِ نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ صاحبزادہ محمد امین الحسنات شاہ صاحب ایم اے فاضل ام القریٰ یونیورسٹی مکہ مکرمہ، صاحبزادہ محمد حفیظ البرکات شاہ، صاحبزادہ محمد ابراہیم شاہ صاحب، صاحبزادہ محمد محسن شاہ صاحب، صاحبزادہ ابوالحسن شاہ صاحب، صاحبزادہ محمد فاروق بہاء الحق شاہ صاحب ہیں۔

خلفاءِ کبار

اب تک آپ نے مندرجہ ذیل حضرات کو اجازت وخلافت سے نوازا ہے:۔

۱.....سیّد نذیر حسین شاہ صاحب سیالکوٹی۔آپ دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف کے فارغ التحصیل ہیں اور آج کل سیالکوٹ میں خطابت کے ساتھ ساتھ دینی ومذہبی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

۲.....پیرزادہ محمد امداد حسین صاحب۔آپ بھی دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف کے فارغ التحصیل ہیں اور حضرت قبلہ پیر صاحب مدظلہ کی ہدایت پر دیارِ فرنگ میں تبلیغ دین کا فریضہ بحسن وخوبی ادا کر رہے ہیں۔

۳..... چند برس قبل آپ نے دارالعلوم محمدیہ غوثیہ کے فاضل مولانا محمد مختار احمد ضیاء کو بھی اجازت و خلافت سے نوازا۔ مولانا محمد مختار احمد ضیاء نے چک شہزاد اسلام آباد میں دارالعلوم محمدیہ غوثیہ کے نام سے ایک عظیم علمی مرکز قائم کیا ہے اور اپنے پیرومرشد کی رہنمائی میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

٤.....پیر سیّد زاہد صدیق شاہ صاحب۔آپ گجرات کے قریب سعید آباد (بوکن شریف) میں ایک عظیم دینی ادارہ چلا رہے ہیں اور اپنے شیخ کامل کی سنت کو زندہ رکھے ہوئے ہیں۔

۵.....پیر سیّد ظفر علی شاہ صاحب۔آپ بھی ضلع گجرات کے ایک گاؤں ڈھل داؤد میں ایک دینی ادارہ چلا رہے ہیں۔

تصانیف

خطابت اور دارالعلوم کی ہمہ وقتی مصروفیات کے ساتھ ساتھ آپ نے سوسالہ کی مسلسل محنت اور کاوش اور تحقیق وعرق ریزی سے 'ضیاء القرآن' کے نام سے قرآن مجید کی تفسیر پانچ جلدوں میں مکمل کی ہے جو عہد حاضرہ کی بہترین تفسیر ہے۔ یہ شہرۂ آفاق تفسیر روشنی اور ہدایت کا عظیم مینار ہے۔ جس کی ضیا پاشیوں سے قلب ونگاہ منور وروشن ہو جاتے ہیں۔

دوسری عظیم تصنیف 'سنت خیر الانام' ہے جسے آپ نے جامعہ ازہر مصر میں اپنے زمانۂ طالب علمی میں مُرتّب کیا۔ منکرینِ حدیث کیلئے یہ تصنیف بُرہانِ قاطع کا حکم رکھتی ہے۔ اسے ہر طبقہ میں بڑی قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اس میں قرآن وسنت کے باہمی ربط، اتباعِ سنت کے عقلی ونقلی دلائل اور تدوینِ حدیث پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اِن کے علاوہ آپ کا ماہنامہ 'ضیائے حرم' تشنگانِ علم وعرفان کیلئے ہر ماہ سامانِ تسکین فراہم کرتا ہے۔ اور مذہب وملت کی عظیم خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ مختلف موضوعات پر لکھے گئے مقالات دو جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں۔

سیرت طیبہ پر آپ کی شہرۂ آفاق تصنیف ضیاء النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سات جلدوں میں منظر عام پر آچکی ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی صفوں میں مکمل اتحاد اور تنظیم پیدا کریں۔ اپنے لٹریچر کو ہر فرد تک پہنچانے کیلئے اپنی صلاحیتیں صَرف کریں اور مذہب کی اشاعت وتبلیغ کو ہر دوسرے کام پر ترجیح دیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بطفیل سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے مقصد میں کامیاب وکامران فرمائے۔

آمین بجاہ الحبیب الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

(1) جہاد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا ط وان اللہ لمع المحسنین (العنکبوت:٦٩)

برادرانِ گرامی! یہ آیتِ کریمہ میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: والذین جاھدوا فینا کہ جو اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں' لنھدینھم سبلنا ان کو اپنے حریم قدس تک پہنچانا ہمارا کام ہے۔ میں انہیں تنہا نہیں چھوڑ دیتا بلکہ میری رحمت ان کے دوش بدوش اور شانہ بشانہ رہتی ہے۔

قرآن کریم کی اصطلاح میں جہاد کسے کہتے ہیں؟ یہ لفظ سینکڑوں بار استعمال کرتے ہیں اور ہمارا ذہن یہ ہے کہ جنگ کرنا، ٹینک توپیں اور جہاز چلانا یہ جہاد ہے۔ یہ دُرست ہے کہ یہ جہاد ہے۔ لیکن یہ اسلامی جہاد کا ایک حصہ ہے۔

لغتِ عربی میں اس کی تعریف اور مفہوم کیا ہے؟..... جو قوت جو طاقت جو صلاحیت اور جو وسائل تیرے پاس ہیں، اُن کو کسی مقصد کیلئے خرچ کرنا جہاد ہے۔ عرب کہتے ہیں: افرغ کالدلو ڈول کو ایسا انڈیل دینا کہ اس میں ایک قطرہ پانی بھی نہ رہے۔ یعنی جو کچھ ہو اسے باہر انڈیل دینا۔ اپنی ہر امکانی کوشش کو آخری حد تک داؤ پر لگا دینا جہاد کہلاتا ہے۔ وہ کوشش جو ادھوری ہو جس کے ساتھ دل شامل نہ ہو، وہ دنیا کی کسی اور زبان میں جہاد ہو تو ہو مگر اسلام میں جہاد نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جہاد کھوکھلی کوشش کو نہیں کہتے۔

تو والذین جاھدوا کا مطلب ہوا، یعنی وہ لوگ جو اپنی قوت اور پوری صلاحیت کو خرچ کر ڈالتے ہیں۔ اس کے بعد اسلامی جہاد کیلئے ایک اور شرط ہے وہ ہے فینا یعنی یہ جو روپیہ، علمی قابلیت، تبلیغِ دین اور دشمن پر تابڑ توڑ حملے کر رہے ہیں، یہ سب جہاد ہے، مگر اسلام جہاد تب ہوگا، جب یہ ساری کاوشیں، جب یہ ساری کوششیں اسلام کیلئے ہوں۔ یعنی وہ دنیوی مفاد، ذاتی شہرت، نشانِ حیدر کے حصول اور عہدے میں ترقی کیلئے نہ ہوں۔ بلکہ ایک ہی مقصد ہو کہ اس کے نام کا پرچم فضاؤں میں لہرائے اور اس کے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر پاک بلند ہو، وہ (مجاہد) بولتے ہیں، سنتے ہیں، ان کا قدم اُٹھتا ہے، وہ بیٹھتے ہیں، جیتے ہیں اور مرتے ہیں تو اللہ کی رضا کیلئے۔

جن کی زندگی کا مقصد، مرکز اور محور خدا کی رضا ہو وہی مجاہد ہیں۔ دنیا والے ہمیں جو کچھ کہیں اگر ہمارے دل میں فتور آ گیا تو ہم مجاہد نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ یہ معاملہ اس علیم و خبیر سے ہے جو دلوں کے سارے بھید جانتا ہے۔ مجاہد وہ ہے جو ہر چیز میں جان، مال، غرضیکہ سارے وسائل اور ساری کی ساری صلاحیتیں خدا کی رضا کیلئے خرچ کر دے۔ یہ تو ہمارا فرض ہے جو ہمیں ادا کرنا ہے اور جو ایسا کرتا ہے اس کے ساتھ وہ کریم کیا سلوک کرتا ہے، لنھدینم سبلنا اس میں 'ل' تاکید ہے۔ اگر خدا تعالیٰ تاکید نہ بھی کرے پھر بھی بات اٹل ہے۔ لیکن اگر زبانِ خداوندی تاکید کرے تو پھر لطف ہی کچھ اور ہے۔ تمام احتمالاتِ ظنون اور شکوک کو ختم کر کے فرماتا ہے کہ تم اپنا سب کچھ میرے لئے داؤ پر لگا دو تو وہ راستے جو مجھ تک آتے ہیں اُن میں تم نہیں پھرتے رہو گے بلکہ اس کا احسان تمہاری راہنمائی فرما رہا ہوگا۔ اس کی رحمت پا بہ رکاب ہوگی اور پھر منزل کی دشواریاں خود بخود ختم ہو جائیں گی اور منزل خود سمٹ کر قدموں میں آ جائے گی۔ کیونکہ ہم جتنے عالم بھی ہو جائیں جب تک اس کی شانِ کریمی دستگیری نہ کرے ہم وہاں تک نہیں پہنچ سکتے۔

میری طلب بھی انہی کے کرم کا صدقہ ہے　　قدم یہ اُٹھتے نہیں اُٹھائے جاتے ہیں

انسان خدا کی طرف کیسے پہنچتا ہے؟ حدیث شریف میں آتا ہے:

ان تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذراعا و ان تقرب الی ذراعا تقربت الیہ باعا و ان اتانی یمشی اتیتہ ھرولۃ ۔ او کما قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

یعنی وہ بندہ جو ایک بالشت میرے قریب ہوتا ہے، میری رحمت ایک گز اس کے نزدیک ہو جاتی ہے۔

اور اگر وہ ایک گز میری طرف آتا ہے میں دوڑ کر اس کی طرف جاتا ہوں۔

تو جب اس کی رحمت دوڑ کر اپنے بندے کا استقبال کرتی ہے تو یہ لامتناہی رکاوٹیں چشم زدن میں طے ہو جاتی ہیں۔

و ان اللہ لمع المحسنین یہاں بھی تاکید بالائے تاکید ہے۔ یہاں صفاتی نام نہیں ذکر کیا گیا، بلکہ ذاتی نام ہے۔ اور اس طرح ساری ذاتی اور صفاتی ذکر کر دیں۔ فرمایا اللہ تعالیٰ انہی کے ساتھ ہوتا ہے جو اس کیلئے جیتے ہیں اور اسی کیلئے مرتے ہیں اور جن کی منزل اس کی خوشنودی ہوتی ہے۔

فرمایا ہم ان محسنین کو دشمن کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑتے، انہیں طوفانی موجوں کے حوالے نہیں کرتے بلکہ ہماری نصرت اور رحمت اُن کے ساتھ ہوتی ہے۔ اگر ایک کے پاس اسلحہ نہ ہو، زرہ، تلوار اور جنگی ساز و سامان نہ ہو، لیکن خدا اس کے ساتھ ہو تو کوئی اسلحہ کوئی ٹینک، کوئی ایٹم بم اور کوئی مہلک تر ہتھیار بھی اس کا راستہ روک سکتا ہے؟ فرمایا تم میرے راستہ میں قدم اُٹھاؤ، میری رحمت تمہارے ساتھ ہوگی۔ میری رحمت تمہیں اپنی آغوش میں لینے کیلئے مچل رہی ہوگی۔

کمی اگر ہوتی ہے تو ہماری طرف سے، اس کریم کی طرف سے تو کوئی کمی نہیں۔ اس کی رحمتِ بے پایاں تو ہر وقت ہمارا انتظار کرتی ہے۔ اس کا دریائے کرم تو ہمہ وقت بہہ رہا ہے۔ ہم ہی ہیں جو اپنی کوتاہی اور کمزوری کی وجہ سے چشمہ شیریں سے فیضیاب نہیں ہو سکتے۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں　　راہ دکھلائیں کسے راہروِ منزل ہی نہیں

آج یہ آیت اسلئے پیش کی گئی تا کہ اسلامی جہاد کا تصور ذہن نشین ہو جائے اور ہم بھی فرضِ جہاد صحیح طور پر ادا کر سکیں۔ ہم یہ تو نہیں کہتے اور نہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ہم میں خلوص ہے، ہم طاقتور ہیں، ہم باہمت ہیں بلکہ ہم تو کمزور ہیں، بے بس ہیں، نہتے ہیں۔ اے اللہ! ہماری لاج رکھنا، ہم نیتوں کا خلوص بھی، مدد بھی تجھی سے مانگتے ہیں۔ کیونکہ

دادِ تورا قابلیت شرط نیست　　بلکہ شرطِ قابلیت دادِ تُست

تیری رحمت وعنایت کیلئے قابلیت کا ہونا شرط نہیں۔ بلکہ قابلیت اور اہلیت کیلئے تیری توفیق اور تیری دستگیری کا شاملِ حال ہونا شرط ہے۔ اگر تیری رحمت دستگیری نہ کرے تو بلندیاں بھی پستیوں میں بدل جاتی ہیں۔ عزتیں ذِلتوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ لیکن اگر تیری توفیق سایہ فگن ہو تو ذرّہ ذرّہ رشکِ صد مہر و ماہ بن جاتا ہے۔ اور قطرے پر کوہِ نور کے ہیرے رشک کیا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم میں ہمت و جرأت اور نیتوں میں خلوص عطا فرمائے اور ہماری دستگیری فرما کر ہمیں منزلِ مقصود تک پہنچائے تا کہ ہم کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہو سکیں۔

۲۴ اپریل ۱۹۷۷ء۔ بعد نمازِ فجر

ڈسٹرک جیل سرگودھا

(2) ایفائے عہد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اوفوا بعھدیٓ اوف بعھدکم ج (بقرہ:۴۰)

برادرانِ گرامی! یہ آیتِ کریمہ جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ بندے کا اور اس کے ربّ کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ بندے کے فرائض کیا ہیں؟ اور ربّ کی عنایات کیا ہیں؟..... ارشاد فرمایا: اوفوا بعھدی جو وعدہ تم نے میرے ساتھ کیا ہے وہ تم پورا کرو اوف بعھدکم جو وعدہ میں نے تمہارے ساتھ کیا ہے وہ میں پورا کروں گا۔ کس قدر جامع مضمون ہے اور مختصر لفظوں میں کیسے بیان کیا۔ اس سے بڑھ کر اس حقیقت کا بیان کیا ہو سکتا ہے۔ **انسان** اس میں غور کرے کہ اے خدا تُو میرا رازق ہے۔ تو قادرِ مطلق ہے۔ تیرے ہر ارشاد کے سامنے میری گردن جھکی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اذ قال لہ ربہ اسلم لا قال اسلمت لرب العٰلمین (بقرہ:۱۳۱) جب ابراہیم علیہ السلام کے ربّ نے ابراہیم علیہ السلام کو کہا، اے ابراہیم! میرے حکم کے سامنے گردن جھکا دے، تو آپ نے عرض کی 'اسلمت' یا اللہ تیرے بندے ابراہیم نے گردن جھکا دی۔ اگر تو یہ حکم دیگا کہ اس ننھے بچے کو جو پیرانہ سالی میں ملا ہے، جس کا چہرہ چاند سا ہے' کولق ودق صحرا میں چھوڑ دے تو میں اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دونگا۔ اسے وہاں چھوڑ آؤں گا، جہاں پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں ہوگا اور یہ نہیں کہوں گا کہ پھول سا بچہ جو بڑی مدت کے بعد ملا ہے۔ شام کے مرغزاروں سے لے جا کر صحراؤں میں چھوڑ آؤں۔ جہاں سبزہ نہیں ہے، جہاں پانی اور سبزہ دار درخت نہیں ہیں۔ جہاں تنفس کے رشتہ حیات کو برقرار رکھنے کیلئے کچھ بھی تو نہیں ہے۔

مالک! تیرا جو حکم ہے بندہ اس کو پورا کرتا ہے۔ اسی وقت بی بی ہاجرہ کو لیا اور بچے کو ساتھ لیا۔ ماں بیٹے کو لے جا کر بے آب و گیاہ میدان میں چھوڑ دیا۔ تھوڑی سی کھجوریں اور پانی کا مشکیزہ دے کر واپس ہونے لگے۔ مائی صاحبہ نے عرض کیا، یہاں پانی کا ایک قطرہ تک بھی نہیں، زندگی کا نام و نشان نہیں، دور دور تک آبادی دکھائی نہیں دیتی، کیسے چھوڑ کر جا رہے ہو؟ فرمایا، یوں ہی نہیں چھوڑ کر جا رہا بلکہ خدا کے سپرد کر کے جا رہا ہوں۔ مائی صاحبہ نے عرض کیا، اگر یہ بات ہے تو پھر فکر کی ضرورت نہیں۔

اذ قال لہ ربہ اسلم..... اگر مجھے شیر خوار بچے کو صحرا میں چھوڑنے کیلئے کہا جائے گا تو مجھے عذر نہ ہوگا، کہ یہ پر بہار وادیاں جو مصر کے قریب ہیں، بچے کو اس سے لطف اندوز تو ہونے دیا جائے۔ پھر حکم ہوا کہ اس کے گلے پر چھری پھیر دی جائے۔ آپ نے پھر بھی وعدۂ بندگی پورا کر دیا جو خدا کے ساتھ کیا تھا تو وہاں زم زم کا چشمہ جاری ہوا یا نہیں؟ چھری حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گلے پر چلی یا دُنبے کے گلے پر؟

جب بندہ اپنے خدا کے ساتھ کیے گئے وعدے پورے کرتا ہے تو اس کی مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں۔ کانٹے خود بخود پھولوں کا روپ دھار لیا کرتے ہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ حقِ بندگی انسان پورا کر لے پھر اس کے فضل و کرم کی جو بارش ہوتی ہے، جو پھوار رِم جھم برستی ہے اس کا کوئی حد و شمار نہیں۔ اسی لئے فرمایا: 'اوفوا بعھدی اوف بعھدکم'

ہمارا کام مشکل ہے۔ ہمیں ہماری کمزوریاں، علم کی کمی مستقبل سے مایوسی کر دیتی ہے۔ لیکن جب وعدۂ خداوندی ساتھ ہو تو پھر پریشانی کی ضرورت نہیں۔ اس کے درِ عظمت پر دستک دینا تیرا کام ہے اور کام کو پورا کر دینا اس ربِّ کریم کا کام ہے۔ قدم اُٹھانا تیرا کام ہے اور پھر منزل تک پہنچانا اس کا کام ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام جب مچھلی کے پیٹ میں تھے انہوں نے اس وقت فریاد کی تھی:

لآ الٰہ الا انت سبحٰنک انی کنت من الظٰلمین (الانبیاء:۸۷)

اے اللہ کوئی پرستش کے لائق نہیں مگر تو، تو ہر عیب، ہر نقص، ہر کمزوری اور بے بسی سے پاک ہے۔
کوتاہی مجھ سے ہوئی، لغزش مجھ سے ہوئی۔ میں تیرے حضور فریاد کرتا ہوں۔

حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جب بھی کوئی مسلمان اپنے ربّ کے حضور ان پاکیزہ کلمات سے فریاد کرتا ہے جب بھی کسی پر کوئی ابتلاء پریشانی اور مصیبت آئے تو ان پاکیزہ اور نورانی کلمات سے اس کی رحمت کو جو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی عاجزی پر رحم کرتا ہے۔

دوسری حدیث ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے پوچھا، میں تمہیں ایک ایسی چیز نہ بتاؤں کہ جب تم میں سے کسی پر کوئی کرب، مصیبت، آزمائش آجائے تو اس دعا سے فریاد کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی مصیبتوں کو ٹال دیتا ہے اور آلام و مصائب کے بادل چھٹ جاتے ہیں۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا اگر حضور وہ دعا ارشاد فرما دیں تو بڑی عنایت ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ وہ دعا ہے جب انسان بندگی کے فرائض ادا کرنے کیلئے کسی ایسے مقام اور جگہ سے گزر رہا ہو جہاں مشکلات کے کانٹے اس کے دامنِ صبر کو تار تار کر رہے ہوں تو یہ دعا پڑھے۔

اسی سلسلہ میں ایک واقعہ بھی پیش خدمت ہے۔ ایک درویش سے اس کے شیخ طریقت نے سوال کیا کہ اگر تم اپنے دوست کو ملنے کیلئے اس کے گھر جاؤ اور اس کے دروازے پر کتا ہو اور وہ تم پر بھونکنا شروع کر دے تو تم کیا کرو گے؟ اس درویش نے جواب دیا کہ میں اس کتے کو مار کر رستے سے ہٹا دونگا اور اپنے دوست سے ملاقات کر لونگا۔ شیخ طریقت نے فرمایا، یہ طریقہ نہیں کہ تم کتے کیساتھ اُلجھنا شروع کر دو بلکہ طریقہ یہ ہے کہ دوست سے کہو کہ میں تیری ملاقات کیلئے آیا ہوں۔ ایسے ہی جب تو خدا کے راستہ میں چلے۔ خدا کے حضور پہنچنے کیلئے بندگی کے تقاضے پورے کرنے کیلئے جادہ پیما ہو تو شیطان قدم قدم پر تیرا راستہ روکتا ہے تو اس کے شر سے بچنے کیلئے خدا تعالیٰ کے حضور دعا کر خدا تیری تکلیف دور کر دیگا۔ کیونکہ فرمانِ خداوندی ہے: اوفوا بعھدی اوف بعھدکم۔

ذرا سوچئے! جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیا گیا وعدہ پورا کیا تو پھر قیصر اور کسریٰ ان کے قدموں میں جھک گئے یا نہیں؟ دنیا بھر کے خزانے ان کے ہاتھ آئے یا نہیں؟ اور وہ وادیاں جو نا قابل تسخیر اور نا قابل عبور تھیں ان کے سامنے سمٹ گئیں یا نہیں؟

تاریخ میں ایک بار بھی تو ایسا واقعہ نظروں سے نہیں گزرتا کہ مسلمانوں نے خدا کے ساتھ حق بندگی اور وعدہ پورا کیا ہو اور خدا نے انہیں یوں ہی بے یار و مددگار چھوڑ دیا ہو۔

آج بھی جب کفر و ظلمت دل کی دنیا کو تاریک کرنے لگیں تو خدا کے دروازے پر دستک دیں کیونکہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو اسی طرح تکلیف سے نجات عطا فرماتا ہے۔

اب جبکہ خود خدا نے بھی فرما دیا اور رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی فرما دیا کہ جب کوئی مسلمان ان کلمات سے خدا کے حضور فریاد کرتا ہے تو خدا اسے قبول فرماتا ہے تو اس میں کسی شک و شبے یا ابہام کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ میرے والد بزرگوار اور مرشدِ کامل نے ارشاد فرمایا کہ جب بھی تکلیف پریشانی اور مشکل ہو تو قضائے حاجت کیلئے چار رکعت اس طرح پڑھا کرو:۔

پہلی رکعت میں الحمد شریف کے بعد سو مرتبہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ o فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ لا وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ط وَ كَذٰلِكَ نُـجِی الْمُؤْمِنِیْنَ o

دوسری رکعت میں الحمد شریف کے بعد سو مرتبہ رَبِّ اِنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ o

تیسری رکعت میں الحمد شریف کے بعد سو مرتبہ وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْۤ اِلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ o

چوتھی رکعت میں الحمد شریف کے بعد سو مرتبہ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِیْلُ o

اسطرح شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے والد گرامی سے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک ارشاد نقل کرتے ہیں کہ یہ چار آیتیں اسم اعظم ہیں۔ یہ ایسی مفتاح ہے کہ مشکلات کے سارے تالے اس سے کھل جاتے ہیں۔ مختصراً یہ عرض کرنا تھا کہ خدا فرماتا ہے: 'اوفوا بعهدی اوف بعهدكم'۔

تو مشکل جو پیش آتی ہے وہ بندگی کا وعدہ ایفا کرنے میں آتی ہے لیکن پھر بھی فریاد اسی کے حضور کی جاتی ہے۔ اور طریقہ یہی ہے کہ یہی دعا پڑھیں جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائی ہے۔ ان حالات میں جبکہ ہر نئی صبح ایک نئی پریشانی اور ہر شام ایک نئی مایوسی لے کر آتی ہے۔ حالات کے اس مدّ و جذر میں اپنے خداوند کریم کے حضور دعا کریں کہ یا اللہ! ہم نے گھر سے قدم اُٹھایا تھا تیرے دین کی سربلندی کیلئے، گلے میں پھول ڈالنے کیلئے نہیں، نہ ہی زندہ باد کے نعروں کیلئے۔ خدایا ہمارا پالا ایسے شاطر اور پتھر دل انسان...... سے پڑا ہے جس کے سینے میں دل نہیں، پتھر کا ٹکڑا ہے۔ تو ہمیں مقصد میں کامیاب و کامران فرما۔ آمین

۲۹ اپریل ۱۹۷۷ء۔ بعد نمازِ فجر

ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

(3) توبہ اور پاکیزگی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطھرین (بقرہ:۲۲۲)

واجب الاحترام سامعین! اس آیت میں بتایا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کن لوگوں سے محبت کرتا ہے۔ فرمایا جن میں یہ دو صفات پائی جاتی ہیں:۔

۱.....وہ اپنے خدا کے حضور توبہ کرنے والے ہوں۔

۲.....وہ پاکیزہ اور صفائی کو اختیار کرنے والے ہوں۔

وہ بندہ اپنے خدا کو بڑا پیارا اور محبوب ہوتا ہے جو اپنے گناہوں کی خدا سے معافی مانگتا ہے اور اس کے حضور جبینِ نیاز جھکاتا ہے اور صاف ستھرا رہتا ہے۔ توبہ کا مطلب ہے بری بات چھوڑ کر اچھی بات کی طرف لوٹنا۔ انسانیت کا تقاضا یہی ہے کہ حیوانی اور شیطانی خصلتوں کو چھوڑ کر انسان کی بہبود اور افراد کی باہمی ہمدردی کو فروغ دیا جائے۔ توبہ کیلئے ضروری ہے کہ انسان سب سے پہلے برے اعمال اور افعال پر شرمندگی اور خجالت محسوس کرے، پھر خدا کے حضور گڑگڑا کر معافی مانگے اور آئندہ ایسا نہ کرنے کا پختہ وعدہ کرے۔ یہ نہیں کہ دوکان پر بیٹھے ہوئے جھوٹ بولتے رہے، کم تولتے رہے اور اذان سنتے ہی دوڑ کر مسجد میں چلے گئے۔ نماز پڑھی اور ایک تسبیح استغفار کی بھی پڑھ ڈالی اور یہ سمجھ لیا کہ میں گناہوں سے پاک ہوگیا ہوں۔ اس سے ہم اپنے آپ کو دھوکا تو دے سکتے ہیں لیکن علیم وخبیر خداوند تعالیٰ کو دھوکا نہیں دیا جاسکتا۔ ہاں اگر توبہ کرنے کے بعد دانستہ یا نادانستہ باوجود کوشش کے بھی گناہ ہوجائے تو پھر اپنے خدا کے حضور معافی مانگے (اِن شاءَ اللہ) تو اُسے بخشنے والا رحیم وکریم پائے گا۔ توبہ کرنے والا بندہ خدا تعالیٰ کو بڑا ہی پسند آتا ہے۔ خدا اس پر بڑا خوش ہوتا ہے اور اس سے اسے جو خوشی ہوتی ہے اس کے متعلق حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اے میرے صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کو اس وقت کتنی خوشی اور مسرت ہوتی ہے جب ایک گناہگار بندہ اس کے درِ کریم پر دستک دیتا ہے۔ صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) نے عرض کیا، اللہ تعالیٰ اور اس کا رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی بہتر جانتا ہے۔ فرمایا اس بات کو یوں سمجھئے کہ آدمی سفر پر روانہ ہو اس کا زادِ راہ روٹی، پانی وغیرہ اونٹ پر لدا ہوا ہمراہ ہو۔ جنگل بیابان میں وہ پہنچ جائے۔ سفر کر کر کے وہ تھک جائے اور وہ ستانے کیلئے جنگل میں کسی درخت کے نیچے سو جائے۔ جب اس کی آنکھ کھلے تو اس کا زادِ راہ اونٹ سمیت غائب ہو۔ قریب پانی بھی نہ ہو، کوئی متنفس اس کی مدد کیلئے بھی موجود نہ ہو، نہ ہی کسی قریبی آبادی کا نام ونشان ہو، تو اس مسافر کو کتنی پریشانی اور کتنا دُکھ ہوگا؟ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم!

ہم اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے اُسے جتنی تکلیف اور پریشانی ہوگی۔ آپ نے فرمایا وہ اپنی اونٹنی کی تلاش میں جنگل میں مارا مارا پھرتا رہے۔ رہی سہی قوت بھی ختم ہوجائے۔ اس کی ساری اُمیدیں ختم ہوجائیں، وہ تھک کر کسی جگہ لیٹ جائے۔ پھر اچانک اس کی آنکھ کھلے تو اس کے پاس اس کی اونٹنی زادِراہ سمیت موجود ہو، تو اسے کتنی خوش ہوگی کہ اس کی زندگی ختم ہونے والی تھی۔ اس کے زندہ بچنے کی کوئی اُمید نہ تھی۔ ایسی حالت میں اُسے حیاتِ نو مل گئی۔ اس کی زندگی کا ٹمٹماتا ہوا چراغ پوری آب وتاب سے روشن ہوگیا اور اس کی یاس و نا اُمیدی کی دنیا میں مسرت کی بہار آگئی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جتنی اس مسافر کو اونٹ سمیت اپنا زادِراہ ملنے کی خوشی ہوئی ہوگی اس سے کہیں زیادہ خوشی مولائے کریم کو اسوقت ہوتی ہے جب اس کا گم کردہ راہ بندہ اس کے آگے سرِ نیاز جھکا دیتا ہے۔ اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہے اور اس کی رحمت کو آواز دیتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

آپ اس بات سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے توبہ کرنے والے بندے سے کتنا پیار ہوتا ہے۔ جوانی ہی توبہ کی اصل عمر ہے لیکن درِ توبہ کبھی بند نہیں ہوتا۔ بندہ جب بھی اپنے آقا کے درِ اقدس کو شرمندگی اور خجالت کے آنسوؤں سے کھٹکھٹاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی بخشش گھٹائیں باندھ کر اس کا استقبال کیا کرتی ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو سات آدمی قیامت کے روز سایہ عرش کے نیچے ہوں گے، جب اس کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا تو اُن میں سے ایک وہ ہوگا جس کی جوانی عبادت میں گزری ہوگی تو ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اُنہی سے محبت کرتا ہے جو اس کے حضور توبہ کرنے والے ہوتے ہیں اور پاکیزگی اختیار کرتے ہیں۔ صاف ستھرے رہتے ہیں۔ صفائی دو طرح کی ہوا کرتی ہے: ایک ہوا کرتی ہے ظاہری صفائی اور ایک ہوتی ہے باطنی صفائی۔ ظاہری صفائی تو یہ ہے کہ ہمارے کپڑے صاف ہوں، ہمارا بستر صاف ہو، ہمارے ہاتھ اور پاؤں صاف ستھرے ہوں۔ لیکن باطنی صفائی کا یہ مطلب ہے کہ ہمارا آئینہ دل بھی غلاظتوں سے پاک اور صاف ہو۔ ظاہری صفائی پانی وغیرہ سے ہوجاتی ہے اور باطن کی صفائی اشک ہائے ندامت سے ہوا کرتی ہے اسلام نے مومن کو صفائی کے ساتھ ساتھ پاکیزگی کا درس دیا۔ پاکیزگی اس وقت حاصل ہوسکتی ہے جب مسلمان رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرے۔ آپ ذرا غور فرمائیں کہ اس حکیم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمارے لئے کیسی کیسی تعلیمات چھوڑی ہیں۔ دوسری اقوام کے ہاں اس بات کا قطعاً خیال نہیں رکھا جاتا کہ جس پانی سے ہم بدن صاف کر رہے ہیں یہ کیسا ہے؟ اور آج کل کے فیشن پرست اور ترقی پسند ماڈرن حضرات ایک ہی ٹب میں بیٹھ کر نہاتے ہیں۔ جسم کی ساری غلاظتیں اسی ٹب میں اور وہی میل کچیل اور غلاظت منہ اور آنکھوں میں داخل ہوتی رہتی ہے۔ لیکن اسلام ان چیزوں کو قطعاً پسند نہیں کرتا۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کو کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔ اسلام کا طریقہ یا نظام ایسا ہے کہ اس پر عمل کرنے سے بھلا ہمارا اپنا ہوتا ہے اور راضی ربِّ کریم ہوتا ہے اس پر عمل پیرا ہونے سے فائدہ ہمارا اپنا ہوتا ہے اور خوش اللہ تعالیٰ ہوجایا کرتا ہے۔

حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر تم صرف وضو کر کے نماز پڑھو گے تو ایک نماز کا ثواب ملے گا۔ لیکن اگر مسواک کر کے وضو کرو گے اور پھر اس سے نماز پڑھو گے تو تمہیں ستائیس نمازوں کا ثواب ملے گا۔ آپ غور فرمایئے! مسواک کرنے سے منہ ہمارا صاف ہوا، دانت ہمارے موتیوں کی طرح چمکنے لگے۔ اب ہم جو غذا کھائیں گے وہ جراثیم سے پاک ہمارے معدہ میں جائے گی، جس سے ہماری اپنی صحت برقرار رہے گی۔ منہ سے بدبو کے بھبھو کے نہیں بلکہ خوشبو آئے گی۔ لوگ ہم سے نفرت نہیں محبت کریں گے۔ فائدہ ہمارا اپنا ہوا، لیکن اجرِ عظیم ربّ کائنات نے عطا فرمایا۔ یہی اس کی بندہ نوازیاں ہیں اور یہی اس کی مہربانیاں اور عنایات ہیں۔ تو ہمیں چاہئے کہ ہم اس بات پر عمل کریں جس سے ہمارا ربّ کریم خوش ہو جائے۔

حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، تین جگہوں پر پیشاب کرنے والا لعنتی ہے:

(۱) سایہ دار درخت کے نیچے (۲) گزرگاہ (راستہ) پر (۳) پانی والی جگہ کے قریب۔

اب آپ خود غور فرمائیں کہ ایک مسافر گرمی کا مارا ہوا، تھکا ہوا، لُو کا جلایا ہوا، دور سے ایک درخت کو دیکھتا ہے اور اس کے سایہ میں پناہ لینے کیلئے دوڑتا چلا آتا ہے لیکن جب اس درخت کے نیچے آتا ہے تو وہاں غلاظت کے ڈھیر ہیں، تعفن اور بدبو ہے۔ وہ وہاں ٹھہر یا سستا نہیں سکتا۔ تو وہ زبان سے ان پیشاب کرنے والوں کو کیا کہے گا؟ اسی طرح راستہ سے گزرتے وقت ہر راہ گیر اپنے ناک اور منہ پر رومال یا کپڑا رکھ کر گزرے گا۔ اور جہاں سے لوگ پانی بھرتے ہیں وہاں گندگی کے ڈھیر ہوں تو ذرا تصور فرمائیں کہ ان لوگوں کو کتنی ذہنی اور جسمانی کوفت ہوگی اور وہ کیا سوچیں گے؟ اسی لئے نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں ایسے کام کرنے سے منع فرما دیا تا کہ میرے اُمتی دنیا میں مثالی اُمتی ہوں اور اسلامی معاشرہ پاکیزہ اور صاف ستھرا ہو۔ اگر ہم یہ اصول قومی سطح پر اپنائیں تو ہماری قوم کتنی سلیقہ شعار اور پاکیزہ ہو جائے۔ لیکن افسوس کہ ہم آج اپنے گھر میں پاکیزگی اور صفائی نہیں رکھ سکتے۔ گھر کے صحن میں پیشاب اور پاخانہ کی احتیاط بھی نہیں کی جاتی۔

اسلام کے اصول، اس کا تمدن، اس کی تہذیب اور اس کی ثقافت کتنی روح پرور ہے۔ ذرا غور تو کیجئے جب ایک مسلمان صبح سویرے اُٹھتا ہے تو پہلے اُٹھ کر وضو کرتا ہے۔ ہاتھ دھوتا ہے۔ منہ اور دانت صاف کرتا ہے۔ چہرے کا میل، آنکھوں کا میل دُھل جاتا ہے۔ وہ مسح کرتا ہے تو اس کے گیسوئے عنبرین تر ہو کر سنور جاتے ہیں۔ پھر وہ خدائے کائنات کے حضور اپنا سرِ نیاز جھکا دیتا ہے اور اس کے بعد اپنے کام کا آغاز کرتا ہے۔ اگر ایسا کیا جائے تو کیا کیا برکتیں ظہور پذیر ہوں، جن کا کوئی حد و حساب ہی نہیں۔ لیکن دوسری قومیں اس نعمت سے محروم ہیں۔ وہ صرف اپنے جسم کی ظاہری صفائی کا خیال رکھتی ہیں۔ فرمایا:

'ان اللّٰہ یحب التوابین ویحب المتطھرین'

آیتِ مبارکہ میں طاھرین نہیں فرمایا بلکہ متطھرین فرمایا۔ یعنی وہ صفائی اور پاکیزگی رکھنے والے نہیں بلکہ بتکلف اور کوشش کے ساتھ صفائی اور پاکیزگی رکھنے والے ہوتے ہیں۔ صفائی پر خاص توجہ دیتے ہیں اور خیال رکھتے ہیں۔ اس میں مبالغہ پایا جاتا ہے۔

آیئے ہم سب اپنے خداوند کریم کے حضور عہد کریں اُس کے اُن بندوں میں شمار ہوں گے جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اور وہ' وہ ہیں جن کے بارے میں ارشاد ہے: ان اللّٰہ یحب التوابین ویحب المتطھرین۔

(4) دل کی غفلت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لا تطع من اغفلنا قبلہ عن ذکرنا واتبع ھوٰ ہ و کان امرہ فرطا (الکہف:۲۸) بہ

محترم سامعین!

'اُس شخص کو اپنا رہنما، پیشوا اور سربراہِ مملکت نہ بناؤ جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے'۔

یہاں ایک بات غور طلب ہے یہ نہیں کہا کہ اس شخص کو اپنا رہنما نہ بناؤ جس نے اپنے دل کو ہماری یاد سے غافل کر دیا بلکہ اسکے برعکس فرمایا کہ جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا۔ یہ وہ مقام ہوتا ہے جب انسان مسلسل نافرمانی کی وجہ سے باغی ہو جاتا ہے ہم اُسے دعوت تو دیتے ہیں نیکی کی لیکن وہ برائی کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ ہم اُسے خیر کی طرف بلاتے ہیں مگر وہ شر کی طرف جاتا ہے اور جو لوگ پے در پے بغاوت کرتے ہیں، حق بات سنتے ہی کانوں میں اُنگلیاں ڈال لیتے ہیں اور جان بوجھ کر ہلاکت کے گڑھے میں گرتے ہیں۔ ہماری رحمت اُن کی منت نہیں کیا کرتی، خوشامد نہیں کرتی، ہماری رحمت اُن کی دستگیری نہیں کرتی بلکہ ہم انہیں ہلاکت اور تباہی کے گڑھے میں گرنے دیتے ہیں۔

اس لئے فرمایا کہ تم ایسے لوگوں کو اپنا رہنما یا پیشوا نہ بناؤ کیونکہ اُن کے پیچھے چلنے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے کہ وہ خود بھی ڈوبتے ہیں اور اپنی قوم کو بھی لے ڈوبتے ہیں۔ 'دانش برہانی' سے 'دانش نورانی' کے مقام پر وہی فائز ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی تابعداری کرتے ہیں لیکن جس نے شریعتِ محمدیہ کو نظر انداز کر دیا، اس کے ساتھ مذاق کیا، اس کے اصولوں پر عمل نہ کیا، وہ ہزار ڈینگیں مارے، وہ ہزار دعوے کرے لیکن وہ اپنے اور اپنی قوم کے ساتھ نیکی اور بھلائی نہیں کیا کرتا۔ اگر کسی قوم کا رہنما کوّا ہو جائے تو وہ گمراہی کی طرف رہنمائی کرے گا۔ تو جو قوم بھی کو اصفت افراد کے پیچھے چلتی ہے وہ تباہی کے گڑھے میں گرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے جو صلاحیتیں اسے راہِ حق کیلئے عطا فرمائی تھیں اس نے پرواہ نہ کی اور وہ سرکشی اور نافرمانی کے راستے پر بگٹٹ دوڑتا گیا اور ہوائے نفس کا شکار ہو گیا۔

جو آیت میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہے یہ اس لئے پڑھی کہ کل اخبار میں ایک فوٹو تھی۔ جس میں..... صاحب تھے اور ان کے گرد وہ لوگ بھی تھے، جن کو وہ ایم۔ این۔ اے کہتے ہیں۔..... صاحب تو وہ ہیں جن کا دل یادِ الٰہی سے باغی ہے اور جو لوگ انہیں تعاون اور وفاداری [1] کا یقین دلا رہے تھے، وہ قوم کے نمائندے نہیں تھے۔ یہ بدقسمتی ہے کہ نفس کے پرستاروں کو خوشامدی مل ہی جاتے ہیں، جو ملک، قوم اور اپنے ماننے والوں سے غداری کرتے ہیں۔

اس لئے اب تم اُن سے کوئی رشتہ نہ رکھو بلکہ یہ بتادو کہ پاکستان کے عوام کی نخوت اور غیرت کو کند چھری سے ذبح کرنے والو! حق باقی ہے اور باقی رہے گا۔ حق کے پرستار باقی رہیں گے، باطل مٹ جائے گا اور اس کا نام ونشان تک بھی باقی نہیں رہے گا۔ یہ لوگ زندگی کے سمندر پر چند بلبلے ہیں جو مٹ جائیں گے۔ دوام انہیں بخشا جاتا ہے' بقاء انہی کو عطا کیا جاتا ہے جو اہل حق کے ساتھ اپنا رشتہ استوار کرتے ہیں۔

حضرت آسیہ جب موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں اور فرعون کو پتا چلا تو اس نے سوچا کہ یہ اس پر ایمان لائی ہے جو میری طاقت اور اقتدار کیلئے خطرہ ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ان لوگوں کو یہی خدشہ رہا کہ یہ اہل حق ہمارے اقتدار کیلئے خطرہ ہیں۔ یہ درویش اور بوریہ نشین ہمارے اقتدار کیلئے خطرہ ہیں۔ اس نے سمجھایا کہ اگر تو میری خدائی کو نہیں مانے گی تو اور کون مانے گا۔ یہاں تیری خدمت کیلئے زیورات ہیں، محلات اور پارچات ہیں، تو کیوں عیش وآرام کی زندگی سے رُوٹھتی ہے۔ دنیا کی زیب وزینت سے کیوں منہ پھیرتی ہے لیکن حق کا مزاہ بھی عجیب ہوتا ہے' سب سے شیریں تر۔ حضرت آسیہ نے کہا تو بندہ تو ہوسکتا ہے، خدا نہیں ہوسکتا فرعون اقتدار کے نشہ میں بدمست ہوگیا۔ اس نے آرام وآسائش کی ساری اشیاء، حسن وزیبائش کی ساری چیزیں اور نام ونمود کا تمام سامان آسیہ سے چھین لینے کا ارادہ کرلیا۔ لیکن اتنے سارے تعلقات کو یکسر ختم کردینا مصلحت کے خلاف سمجھا۔ زیور عورت کی بہت بڑی کمزوری ہوتی ہے، لیکن اُن عورتوں کو جن کو حق کا عرفان نصیب نہیں ہوتا۔

---

[1] حضرت ضیاء الامت مدظلہ فرماتے ہیں کہ جیل میں میری دو راتیں بڑے ہی کرب میں گزریں۔ ایک وہ جب مجھے پتا چلا کہ جعلی اسمبلی کے ممبران نے بے ضمیری سے کام لیتے ہوئے..... صاحب کو تعاون کا یقین دلایا ہے اور دوسری وہ رات جب افواجِ پاکستان کے سربراہوں نے..... کی غیر آئینی حکومت کو آئینی قرار دے کر اس کے تحفظ کا اعلان کیا۔ (مرتب)

تو فرعون نے پہلے زیوارت جن سے وہ اپنے آپ کو مزین کیا کرتی تھیں واپس لے لئے، پھر پارچات اور کنیزیں واپس لے لیں۔ اس کا خیال تھا کہ آسیہ ان چیزوں کے چھن جانے کا صدمہ برداشت نہ کر سکے گی اور میری خدائی کے آگے سر تسلیم خم کر دے گی۔ لیکن ہر باطل پرست کی طرح اس کا یہ خیال غلط نکلا اور آسیہ کو ہر آزمائش نے مزید استقامت بخش دی۔ چنانچہ پھر قوم کے سامنے اُسے پھانسی چڑھانے کا اعلان کر دیا گیا۔

وہ پھانسیاں آج کل کی پھانسیاں نہ تھیں کہ گلے میں پھندا ڈالا اور معاملہ ختم۔ بلکہ لکڑی کے تختہ پر کھڑا کر کے دونوں ہاتھوں اور پاؤں میں کیل ٹھونک دیئے جاتے اور پھر تیروں اور پتھروں کی بارش کر کے آدمی کو تڑپا تڑپا کر ختم کر دیا جاتا۔ فرعون کا یہ فیصلہ عقل کا فیصلہ نہ تھا نفس کی خواہش تھی۔ اور آسیہ کا پاگل پن نہ تھا بلکہ اس کے ایمان کا فیصلہ تھا۔

کیا وجہ تھی اس کی؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص ہماری یاد سے غافل ہو جاتا ہے وہ 'واتبع ھواہ' اور اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے، خدا، رسول اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی نہیں اپنے نفس کی۔ اُسے نہ اپنی قوم سے پیار ہوتا ہے اور نہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہ مخلص ہوتا ہے اور نہ اُسے خود اپنے انجام کی فکر ہوتی ہے۔ وہ ہر چیز سے بے پرواہ آنکھیں بند کر کے اپنی ڈور خواہشات کے ہاتھ میں دے دیتا ہے۔ اور جو شخص ہوائے نفس کا شکار ہوتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ یہ راستہ دُرست ہے اور اسی پر چل کر لوگ میری عزت کریں گے، احترام کریں گے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اسی میں میری کامیابی کا راز ہے۔

ابوجہل اور ابولہب نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مخالفت کا پروگرام بنایا۔ اپنے آپ کو دانشور سمجھا، عقلمند سمجھا اور حضور علیہ السلام کو مجنون، ساحر کہتے رہے۔ اپنے آپ کو زیرک اور دانا کہتے، تو نتیجہ کیا نکلا کہ خود بھی غرق ہوئے اور اُن کے پیروکار بھی تباہ ہوئے۔ دنیا بھی گئی اور آخرت بھی تباہ و برباد ہو گئی۔ اور جو اپنے نفس کی پیروی کرتا ہے وہ اپنے آپ کو بڑا زیرک، سیاستدان اور بزرجمہر کہے لیکن وہ خود بھی غرق ہو گا اور اس کے ساتھی بھی!

آپ نے غور فرمایا پھانسی کے تختہ پر چڑھنے کا فیصلہ کون کر رہی تھی، مصر کی خاتونِ اوّل جو ناز و نعم کے ساتھ پلی تھی، جو پھولوں کی سیج پر سوتی تھی۔ آرام و آسائش اور زندگی کی ہر سہولت اُسے میسر تھی۔

یہ اس کا فیصلہ نہیں تھا بلکہ سلطانِ عشق کا فیصلہ تھا۔ اور انہی کے فیصلے درست ہوتے ہیں اور انہی کی زندگی آفتاب سے زیادہ روشن اور شبنم سے زیادہ پاکیزہ ہوتی ہے۔

تو فرمایا، جس بد بخت کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اس کی پیروی مت کرو کہ اس کی باگ ڈور عقل دور اندیش کے ہاتھ میں نہیں بلکہ ہوائے نفس کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی توفیق عطا فرمائے کہ ہم انہی کو اپنا رہنما بنائیں جن کے دل یادِ الٰہی سے غافل نہیں ہوتے۔ کیونکہ انہی کے فیصلے درست اور صحیح ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں میں سے نہ کرے جو جھوٹے اور خوشامدی ہوتے ہیں۔ کیونکہ جو آدمی اللہ تعالیٰ، مصطفیٰ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اسلام کے ساتھ وفاداری نہیں کر سکتا وہ.....صاحب کے ساتھ وفاداری کیسے کرے گا۔.....ڈوبے گا جلد ڈوبے گا اور بہت جلد ڈوبے گا اور ان سب کو لے کر ڈوبے گا۔

ہم ان کے پیروکار ہیں جن کے دل میں خدا کی یاد ہے جن کا فیصلہ سلطانِ عشق کا فیصلہ ہے اور سلطانِ عشق کا فیصلہ تسلیم کرنے والے ہی دنیا اور آخرت میں کامیاب ہیں اور چند روزہ عیش و آرام کیلئے اپنے ملک کے مفاد سے غداری کرنے والے خائب و خاسر ہوا کرتے ہیں اور ملک و قوم کیلئے مرنے والے ہی کامیاب و کامران ہیں۔

۲۴ اپریل ۱۹۷۷ء۔ بعد نمازِ فجر

ڈسٹرک جیل سرگودھا

(5) لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ کی فضیلت

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

برادرانِ اسلام!

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے عرش کے خزانوں میں سے جو کچھ مجھے عطا فرمایا ہے اس میں سے ایک وظیفہ یہ بھی ہے: لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ۔ آپ نے فرمایا، اس کے پڑھنے سے ننانوے تکالیف دور ہوتی ہیں۔ ان میں سے سب سے گھٹیا، فروتر اور چھوٹی پریشانی جو اسکے ذکر سے دور ہوتی ہے وہ ہے افسردگی یعنی دل میں جب افسردگی کے بادل چھا جاتے ہیں، جب پژمردگی گھیر لیتی ہے تو دل افسردہ ہو جاتا ہے۔ دل وہ بادشاہ ہے جس کی حکومت جسم کے ہر حصہ پر ہوتی ہے۔ دل خوش ہو تو ہر عضو اپنے اعمالِ طبعی ادا کرتا رہتا ہے۔ دل خوش ہو تو کسی چیز کی پرواہ نہیں ہوتی۔ دل بجھا بجھا ہو تو رنگا رنگ کے کھانے اور مرمریں محلات عیش و آرام اور سیر و تفریح بھی اُسے خوش نہیں کر سکتے۔ تمام ناخوشی اور خوشی کا اظہار دل کرتا ہے اور اسی پر انحصار ہے۔ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کے وہ خزانے جو عرش کے نیچے ہیں اُنہی میں سے ایک یہ ہے کہ تم کثرت سے پڑھا کرو: لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ۔

بڑی تکلیف کا اندازہ ہم نہیں کر سکتے لیکن خدا کے نزدیک سب سے کم تکلیف اور پریشانی جو اس کے پڑھنے سے دور ہوتی ہے یعنی جو کم سے کم فائدہ اس وظیفہ سے ہوتا ہے وہ ہے کہ اَلْھَمّ یعنی دل کا بجھا بجھا ہونا ختم ہو جاتا ہے۔

آپ اندازہ کریں کہ اس دل کا بجھا بجھا ہونا اور دل کا پریشان اور افسردہ ہونا انسان کیلئے سب سے بڑی تکلیف ہے۔ آپ کو ہزارہا آرام و آسائش میسر ہوں لیکن سکونِ قلب نہ ہو تو کسی چیز میں کوئی لطف ہی نہیں آتا۔ تو یہی عدمِ اطمینان سب سے بڑی تکلیف اور پریشانی ہے۔ لیکن آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لاحول ولاقوۃ پڑھنے سے جو کم سے کم فائدہ حاصل ہوتا ہے وہ سکونِ قلب کا ہے۔ آپ اندازہ فرمائیں کہ جب کم سے کم فائدہ یہ ہے کہ تو اس کے علاوہ جو اٹھانوے فوائد اور انعامات ہیں وہ کتنے بڑے ہوں گے۔ سکونِ قلب دنیا کی دولت، کاروں اور کوٹھیوں سے حاصل نہیں ہوتی، بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ خدا ہر نعمت عطا کرنے کے بعد سکونِ قلب سے محروم کر دیتا ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہت سے لوگوں کو دو نعمتیں ملی ہوئی ہیں، تندرستی اور فارغ البالی۔ پھر یہی دو نعمتیں ان کیلئے نقصان اور خسارے کا باعث بن جاتی ہیں۔ معلوم یہ ہوا کہ نعمتیں خسارے کا باعث بھی بن جاتی ہیں۔ اسی لئے کہ ان کے حاصل ہونے کے بعد دل کی افسردگی اور پریشانی دور نہیں ہوتی۔

ایک اور حدیثِ پاک میں رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ابن آدم سے کہتا ہے کہ تو سب طرف سے

ہٹ ہٹا کر میری عبادت میں لگ جا۔ میں تیرے دل کو تونگری سے بھردوں گا اور تجھے کسی کا محتاج نہ ہونے دوں گا۔ اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تیرے ہاتھوں کو تو مال سے بھردوں گا، لیکن تیری (دل کی) محتاجی دور نہیں کروں گا۔ [1] اس حدیثِ پاک میں تصریح فرمادی کہ جب دل کی تونگری وسکون نہ ہو تو دولت کے انبار ہوتے ہوئے بھی انسان محتاج ہی رہتا ہے۔ وہ ہر دروازے پر دستک دیتا ہے۔ وہ ہر آستانے پر جبہ سائی کرتا رہتا ہے۔ باطل کی پرستش کرتا رہتا ہے مگر اس کی ضرورت کہیں بھی پوری نہیں ہوتی۔ مگر جو شخص اللہ تعالیٰ کے حضور سرِ نیاز جھکاتا ہے وہ دنیا کی ہر چیز سے بے نیاز ہوجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حکمرانوں کے پاس سب کچھ ہوتے ہوئے بھی سکونِ قلب نصیب نہیں ہوتا لیکن فقیر اور درویش کو ایک گودڑی میں وہ قرار حاصل ہوتا ہے کہ وہ دنیا کی ہر شے سے بے نیاز ہوجاتا ہے۔

تو معلوم ہوا کہ دل کی پریشانی اور افسردگی سب سے بڑی تکلیف ہے لیکن خدا کے نزدیک یہ اُن ناوے میں سے کمترین تکلیف ہے جو اس وظیفہ سے دور ہوجاتی ہے۔ یہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس لئے فرمایا کہ اس دنیا میں آپ کو دوستی، دشمنی اور ناسازگار حالات سے واسطہ پڑے گا۔ وہ وقت بھی آسکتا ہے جب آپ بے سہارا ہوکر پریشان ہوجائیں۔ اس لئے جب آپ کا کوئی سہارا نہ رہے۔ آپ پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں تو اس وقت یہ بہت بڑا آسرا ہے۔

یہ میرا تجربہ بھی ہے حالانکہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان کے بعد کسی تجربے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس لئے فرمایا کہ اس دنیا میں آپ کو دوستی، دشمنی اور ناسازگار ہوتی۔ جو کچھ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمادیا وہی حرفِ آخر ہے۔ ویسے مجھے تو تکلیف میں اس ذکر کے بعد یوں محسوس ہوتا ہے جیسے آگ پر پانی ڈال دیا گیا ہو۔

یہ وظیفہ اللہ تعالیٰ نے اپنے عرشی خزانوں سے عطا فرمایا ہے۔ یہ سکونِ قلب کے حصول کیلئے اکسیرِ اعظم ہے۔ کیونکہ ساری نعمتیں موجود ہوں، پھر بھی سکونِ قلب نہیں ہوتا۔ اور جب آپ کو سکون نصیب ہوگا، آپ کا دل خوش ہوجائے گا تو آپ کو ہر چیز میں بہار ہی بہار اور مسرت ہی مسرت نظر آئے گی۔ لیکن یہ یاد رکھئے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد اور ذکر کے بغیر سکون دل کا حصول ناممکن ہے۔

الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب (الرعد:۲۸)

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی نعمتوں سے نوازے اور سکونِ دل نصیب فرمائے۔ آمین

---

[1] عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم ان اللّٰہ یقول لابن اٰدم تفرغ لعبادتی املا صدرک غنی و اسد فقرک و ان لا تفعل ملات یدک شغلا و لم اسد فقرک (مشکوٰۃ شریف۔ کتاب الرقاق، الفصل الثانی) (مرتب)

(6) نماز مومن کی معراج ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الصلوٰۃ معراج المؤمنین ٥

'نماز مومن کی معراج ہے'۔

گرامی مرتبت حاضرین! اس وقت جبکہ ایک مقدس مشن کیلئے ہم یہاں آئے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اتنا وقت دیا ہے کہ شاید زندگی میں ہم کبھی اتنے فارغ نہیں ہوئے تھے۔ کم از کم مجھے تو کبھی اتنا فارغ وقت نہیں ملا تھا۔ جب ہم یہاں چوبیس گھنٹے فارغ ہیں۔ تو ہم کم از کم یہاں نماز تو سیکھ لیں تا کہ جب یہاں سے جائیں تو ہمارا دامن مراد خالی نہ ہو۔ ہم جیسے آئے ہیں ویسے ہی واپس نہ چلے جائیں۔ بلکہ نماز پڑھنا تو سیکھ جائیں۔ اسے تو صحیح کرلیں تا کہ ہماری نماز وہ نماز بن جائے جس کے بارے میں ارشادگرامی ہے: 'الصلوٰۃ معراج المؤمنین'۔

ہر چیز کا ایک ظاہری وجود ہوتا ہے اور ایک باطنی۔ اسی طرح نماز کے بھی دو وجود ہیں: ظاہری نماز اور باطنی نماز۔

ظاہری نماز تو یہ ہے کہ ہم تکبیر کہہ کر دعا پڑھتے ہیں، قیام کرتے ہیں، رکوع اور سجود کرتے ہیں۔ کوئی سلام کہے تو اس کے سلام کا جواب نہیں دیتے۔ کوئی بلاتا رہے، ہم اس کی طرف دھیان نہیں دیتے۔ اسی طرح باطنی نماز یہ ہے کہ ہمارا دل بھی اس چیز کی گواہی دے جو ہماری زبان کہہ رہی ہے۔ جس طرح اللہ اکبر کہنے کے بعد ہم کسی کے سوال کا جواب نہیں دیتے۔ بچہ روتا رہے، ہم اُسے چپ نہیں کرا سکتے۔ اِدھر اُدھر نہیں دیکھ سکتے اور اردگرد کے ماحول سے بے نیاز ہوجاتے ہیں۔ اسی طرح چاہئے کہ جب اللہ اکبر کہیں تو ہمارا دل بھی دنیا سے بے نیاز ہوجائے اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف دھیان رہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو ایک جنگ میں ایک تیر چبھ گیا۔ جب ساتھی وہ تیر نکالنے لگے تو آپ کو سخت درد محسوس ہوا۔ کچھ ساتھیوں نے کہا کہ اس وقت تیر نہ نکالو، جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز پڑھنے لگیں گے تو تم تیر کھینچ لینا۔ کیونکہ اس وقت آپ دنیا سے بے خبر ہوجایا کرتے ہیں اور آپ کو محسوس تک بھی نہیں ہوگا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اور عین حالتِ نماز میں تیر کھینچ لیا گیا اور آپ کو کوئی تکلیف نہ ہوئی۔ تو ہر مسلمان کو ایسا ہی ہونا چاہئے کہ جب وہ نماز میں ہو تو جو کچھ وہ پڑھ رہا ہو، اس کا دل اس کی گواہی دے رہا ہو۔ جو کچھ اس کی زبان سے جاری ہو، اس کے ساتھ اور جسم کا ہر عضو اسی کے مطابق عمل کر رہا ہو۔ وہ یوں محسوس کرے کہ خدا کو دیکھ رہا ہے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو یہ خیال کرے کہ خدا اُسے دیکھ رہا ہے۔ یہی نماز ہے جو مومن کی معراج ہے۔ جو انسان کو فرشتوں سے برتر بناتی ہے اور خدا تعالیٰ تک پہنچا دیا کرتی ہے۔ آپ خیال کر رہے ہونگے کہ یہ ناممکن ہے۔ ناممکن نہیں بلکہ آسان ہے لیکن ایک دن میں ایسا نہیں ہوسکتا۔ مسلسل مشق ہی سے یہ ممکن ہے۔ آپ کو اس کیلئے پیہم کوشش کرنا پڑے گی اور تب کہیں جا کر آپ اس میں کامیاب ہوں گے۔

آپ جانتے ہیں کہ 'الف' حروفِ تہجی میں آسان ترین حرف ہے۔لیکن پہلے روز یہ لکھنا بھی مشکل ہوجایا کرتا ہے اور مسلسل محنت و کوشش سے طالبِ علم صرف یہی نہیں بلکہ دوسرے مشکل لفظ بھی لکھنے کے قابل ہوجاتا ہے۔اسی طرح شروع میں آپ کو یہ بات مشکل محسوس ہوگی۔لیکن آہستہ آہستہ لگاتار محنت سے آپ کا دل نماز میں لگنے لگے گا۔آپ کو وہ کیف وسرور نصیب ہوگا کہ سجدے سے سر اُٹھانے کو آپ کا جی ہی نہیں چاہے گا۔پھر آپ حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کی طرح یہ کہنے لگیں گے کہ 'یا اللہ! تیری راتیں اتنی چھوٹی ہیں کہ تیری بندی کا ایک سجدہ بھی پورا نہیں ہوتا'۔تو ہم ایسی نماز پڑھیں جس میں خلوص ہو، خضوع وخشوع ہو اور صرف رضائے الٰہی کا باعث ہو۔آپ کے ذہن میں یہ خیال تک بھی نہ آئے کہ یہ عبادت جو ہم کر رہے ہیں یہ جنت کیلئے ہے یا کسی اور دُنیوی مقصد کیلئے، بلکہ آپ کی تمام عبادتیں خدا کی رضا کیلئے ہوں۔عبادت کا مقصد خدا کی رضا کا حصول ہونا چاہئے۔ جنت تو خدا کی طرف سے انعام کے طور پر حاصل ہوا کرتی ہے۔کیونکہ جب بندہ پر خدا راضی ہوجایا کرتا ہے تو دنیا کی ہر چیز بندے کی ہوجایا کرتی ہے۔

سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک واقعہ پیش خدمت ہے۔کہ ایک دن انہوں نے حکم دیا کہ تمام خزانوں کے منہ کھول دیئے جائیں۔خزانوں کے منہ کھول دیئے گئے۔سلطان نے اپنے درباریوں اور دیگر لوگوں سے کہا کہ وہ جو کچھ چاہیں اور جتنا چاہیں، جا کر لے لیں۔تمام لوگ خزانوں پر ٹوٹ پڑے۔کسی نے سونے پر ہاتھ صاف کیا، کسی کے ہاتھ جواہرات لگے، کسی نے چاندی کے ڈھیر پر قبضہ کرلیا، کوئی گھوڑے لے کر چلتا بنا۔غرض کسی کے ہاتھ جو کچھ لگا وہ لیتا بنا۔لیکن ایاز نے آگے بڑھ کر خود سلطان محمود کے سر پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔سلطان نے کہا بڑے بیوقوف ہو۔کوئی سونے پر ہاتھ رکھ رہا ہے اور کوئی چاندی پر۔کوئی جواہرات لے جارہا ہے اور کوئی دیگر سامان، اور تم نے میرے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔کہنے لگا، آپ نے خود کہا ہے کہ جس چیز پر کوئی ہاتھ رکھ لے گا وہ اسی کی ہوجائے گی تو اس لئے میں نے آپ کے سر پر رکھا ہے جنہوں نے سونے اور جواہرات پر ہاتھ رکھا ہے وہ انہیں مبارک ہو مجھے تو آپ کی ضرورت ہے۔اور جب آپ میرے ہوجائیں گے تو پھر کمی کس چیز کی رہ جائے گی پھر ساری چیزیں اور سارے خزانے میرے ہوجائیں گے۔یہ سن کر سلطان بے حد خوش ہوا۔تو دیکھا آپ نے ایاز نے سلطان کے سر پر ہاتھ رکھ دیا کہ ساری دنیا تو ہیرے جواہرات اور سونے چاندی کی مالک بن گئیں لیکن آپ میرے ہوگئے تو پھر کون سی چیز کی کمی رہ گئی۔

تو کیوں نہ ہم اپنے ربّ کریم کو راضی کرلیں۔ جب وہ راضی ہوجائے گا تو کائنات کی ہر شے ہماری ہوجائیگی۔ لیکن اگر ساری دنیا راضی ہو اور اللہ تعالیٰ ناراض ہو تو یہ زندگی ہمیشہ خسارے میں رہے گی۔ اور اس سودے پر پچھتانا پڑے گا۔ ہمیں چاہئے کہ ہم نماز باقاعدگی سے پڑھیں اور ایسے پڑھیں کہ ہمارا ربّ ہم سے راضی ہوجائے۔ تب ہی ہم اپنے آپ کو کامیاب انسان تصور کرسکتے ہیں۔ یہ بات عشق اور محبت ہی سے ممکن ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ اس فارغ وقت سے فائدہ اُٹھائیں گے اور نماز کو صحیح طریقہ پر ادا کرنے کی کوشش کریں گے۔ نماز کے بعد ذکرِ الٰہی بڑی سعادتوں اور برکتوں کا باعث ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ ہر چیز پر زنگ چڑھ جاتا ہے، اسی طرح دل پر بھی دنیاوی آلائشوں کا گردوغبار جم جاتا ہے اور آئینہ دل غبار آلود ہوجایا کرتا ہے۔ تو جس طرح ہر چیز کا زنگ اُتارنے کیلئے خداوند ذوالجلال نے کوئی نہ کوئی چیز بنائی ہے۔ ایسے دل کی صفائی کیلئے بھی ہمیں طریقہ بتایا۔ کپڑے میلے ہوجائیں تو انہیں صاف کرنے کیلئے صابن استعمال کیا جاتا ہے۔ لوہے پر زنگ لگ جائے تو اسے اُتارنے کیلئے جس طرح ریگمار استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی طرح آئینہ دل کی صفائی کیلئے ذکرِ الٰہی سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں ہے۔

ہمیں چاہئے کہ اپنے دل کی صفائی اور پاکیزگی کیلئے ذکرِ الٰہی کو اپنا وظیفہ بنائیں۔ جب ذکرِ الٰہی میں ہمارا دل محو ہوجائے گا اور دنیوی آلائشوں سے ہمارا دل صاف ہوجائے گا تو ہمیں عبادت میں وہ لذت و سرور حاصل ہوگا جس پر ملائکہ بھی ناز کریں گے۔

فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

(7) بہترین اُمت (خیرالامم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنھون عن المنکر (آل عمران:۱۱۰)

اُمتِ محمدیہ کے عظیم مجاہدو! یہ آیتِ کریمہ جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے۔اس میں مولائے کریم نے دو چیزوں کا ذکر فرمایا ہے۔ایک تو اُمتِ محمدیہ کا جو مقام ہے وہ بیان کیا اور دوسرا اس اُمت کے جو فرائض ہیں انکا ذکر فرمایا کہ اس کا مقام کیا ہے اور اس کے فرائض کیا ہیں۔نیز اسے یہ مقام کیوں بخشا گیا۔

اُمت کے مقام کے بارے میں 'کنتم خیر امۃ' جتنی بھی اُمتیں آئیں، جتنی بھی قومیں اولادِ آدم میں پیدا ہوئیں، اُن میں سب سے برتر، سب سے اعلیٰ اور سب سے بہترین اُمت تم ہو۔نوح علیہ السلام کی اُمت سے بھی، ابراہیم علیہ السلام کی اُمت سے بھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبروں کی اُمت سے بھی اے غلامانِ مصطفٰے تم بہترین ہو۔

یہ مقام کیوں بخشا گیا، یہ اعزاز کیوں عطا فرمایا گیا اور اس شرف سے کیوں نوازا گیا؟ اس کی وجوہات بھی آگے خود ہی بیان فرمادیں وہ ربّ العالمین ہے صرف ربّ المسلمین نہیں۔وہ ایک قوم کا نہیں ساری کائنات کا ربّ ہے۔اسی طرح نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صرف مسلمانوں کیلئے ہی نہیں' ساری کائنات کیلئے ہیں۔اور ایک قوم کیلئے نہیں' قیامت تک کی ساری اقوام کیلئے سراپا ہدایت ہیں۔ تو جس ربّ کی ربوبیت عمومی ہو' جس کے نبی کی رحمت عمومی ہو' جو ساری کائنات کا ربّ ہو اور اس کا نبی ساری کائنات کا ہادی ہو۔ اُس نبی کی اُمت صرف ایک قوم کیلئے نہیں فرمایا 'اخرجت للناس' تمہارا اس دنیا میں ظہور پذیر ہونا صرف اپنوں کے فائدہ اور صرف اپنوں کے نفع کیلئے نہیں بلکہ جتنی اولادِ آدم ہے' جتنے انسان ہیں' سب کیلئے تمہارا وجود فیض و کرم کا باعث ہے۔ رحمت و برکت کا موجب ہے۔

دور دستاں را بہ احسان یاد کردن ہمت است
ورنہ ہر نخل بپائے خود ثمر می افگند

اپنے لئے اور اپنوں کیلئے ہر کوئی فائدہ کا باعث ہوا کرتا ہے۔لیکن اے غلامانِ مصطفٰی تم صرف اپنوں کیلئے نہیں بلکہ جو تمہارے خون کے پیاسے ہیں اُن کیلئے بھی تمہاری رحمت کی چادر وا ہونی چاہئے۔ابرِ کرم جب برستا ہے تو وہ سرسبز و شاداب کھیتوں پر ہی نہیں بلکہ جنگلوں اور ریگستانوں پر بھی اس کی موسلا دھار بارش برستی ہے۔تو اُمت محمدیہ ساری قوم کیلئے رحمت و برکت کا سرچشمہ ہے اور ہر چیز اس سے فیضیاب ہوتی ہے۔

آپ حیران ہوں گے کہ جو لوگ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دین میں آ گئے اور جو قومیں مسلمان نہیں ہوئیں اور اب تک نہیں ہوئیں اور وہ اسلام اور پیغمبر اسلام سے بغض و عناد رکھتی ہیں ان کو بھی اسلام کی وجہ سے کئی برکتیں حاصل ہوئی ہیں۔ وہ خود اعتراف کریں یا نہ کریں۔ لیکن یہ ایک اٹل حقیقت ہے۔

آپ ان قوموں کی اسلام سے قبل اور اس کے بعد کی زندگی ملاحظہ کریں تو یہ حقیقت آپ پر واضح ہو جائیگی۔ ہندوؤں کی مسلمانوں سے قبل کی رسوم مثلاً ذات پات کی تقسیم اور ستی کی رسم، جس میں خاوند کی وفات کے بعد اس کی بیوی بھی اسی کے ساتھ آگ میں جل کر راکھ ہو جایا کرتی تھی۔ خواہ اس کی شادی کو ایک ہی دن کیوں نہ گزرا ہوتا۔ اُسے نہ تو اپنے آنگن میں چٹکتے ہوئے پھولوں کی خوشبو نصیب ہو سکتی اور نہ ہی مانگ میں خوشی اور مسرت کی کہکشاں اپنا روپ اور جلوہ دکھا سکتی۔ نہ اس کی زندگی کے ارمان پورے ہوتے۔ زندگی کسے عزیز نہیں ہوتی۔ لیکن یہاں اس برائی اور صریح ظالمانہ اقدام پر کوئی آواز بلند نہ ہوتی تھی۔ لڑکی کی ماں اس کے پاس ہوتی، باپ کے سامنے بیٹی شعلوں کی لپیٹ میں چلی جاتی اور بھائی اپنی محبت کو اپنی آنکھوں سے بھسم ہوتے دیکھتا رہتا لیکن کوئی بھی اس ظالمانہ فعل پر صدائے احتجاج نہیں کیا کرتا تھا۔ لیکن جب اسلام کا نور فلکِ ہند پر جلوہ فگن ہوا تو جہاں اس نے اور لوگوں کو کفر کی دلدل سے نکال کر رشد و ہدایت کی وادی میں پہنچایا، وہاں ہندوؤں کی اس بری رسم پر بھی وہ ضرب لگائی کہ ان کے دل میں بیٹی کی عزت و ناموس پیدا ہوئی اور وہ اس برائی سے اجتناب کرنے لگی۔

اسلام میں گورے اور کالے، امیر اور غریب کا کوئی امتیاز نہیں ہے اور اسلام اپنے ماننے والوں کو بھی اس کی تعلیم دیتا ہے۔ لیکن ہندوؤں میں ذات پات کا وہ چکر تھا کہ انسان پر اس کے تصور سے ہی لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ چار بڑی بڑی ذاتیں تھیں: (۱) برہمن (۲) کھشتری (۳) ویش (٤) شودر۔ ان میں سے برہمن بڑی ہی مقدس اور محترم ذات تھی۔ مذہب کی تعلیم اور حکمرانی اس خاندان کا ہی حق تھا۔ شودر سب سے گھٹیا اور قابلِ نفرت طبقہ تھا۔ اتنا کہ اسے عام آدمی کا درجہ بھی نہیں دیا جاتا تھا۔ اگر کسی شودر کے کان میں برہمن کی آواز پڑ جاتی تو شودر کے کان میں سیسہ پگھلا کر ڈال دیا جاتا تھا۔ اور اگر برہمن کے کانوں میں شورد کی آواز پڑ جاتی تو اس کی زبان کاٹ دی جاتی۔ یہ وہ ظالمانہ روایات تھیں جن میں ہندو مت گرفتار تھا۔ لیکن اسلام کے نور کی ضوفشانی کے اثرات ایسے مرتب ہوئے کہ آج ہندو معاشرہ میں ان رسوم کو خود برا سمجھا جاتا ہے اور یہ تمیز تقریباً ختم ہو گئی ہے۔

یہ وہ فیض ہے جو اسلام نے ان لوگوں کو بخشا جو اسلام نہیں لائے۔ جب بارش برستی ہے تو نشیب پر بھی برستی ہے اور فراز پر بھی۔ جنگلوں پر بھی برستی ہے اور باغوں پر بھی۔ محمدِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فیضِ کرم سے زمین سے لے کر آسمان تک کا ذرّہ ذرّہ مستفیض ہوا۔ کائنات کے نصیب جاگے اور جہنم کی طرح بھڑکتی دنیا جنت کا نمونہ بن گئی۔ امن و سکون اور محبت و رحمت کا گہوارہ بن گئی۔

تو میں بیان کر رہا تھا کہ ہم نے دنیا میں خیر الامم ہونے کا تاج یوں ہی نہیں سجایا۔ یہ اعزاز ہمیں یوں ہی نہیں بخشا گیا۔ یہ الگ بات ہے کہ آج ہم اپنے آپ پر بوجھ ہیں۔ ایک دوسرے کیلئے ننگ و عار ہیں۔ لیکن ہم یہ نہ تھے جو آج ہیں، بلکہ خدا نے اس لئے خیر الامم کا تاجِ کرامت ہمارے سر کی زینت بنایا کہ ہماری وجہ سے سارے لوگ اس چشمہ سے فیض یاب ہوں گے۔ اس نور سے اپنے دلوں کو منور کریں گے۔ اس پیغام سے اپنے دلوں کی اُجڑی ہوئی بستی کو آباد کریں گے۔

فرمایا 'کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنهون عن المنکر' تم ایسی قوم ہو کہ باطل کے ساتھ مصالحت نہیں کر سکتی۔ فسق و فجور اور برائی کو تم برداشت نہیں کر سکتے۔ نیکیوں کا حکم دیتے ہو اور منکر سے منع کرتے ہو۔ یہاں 'منکر' کا لفظ استعمال کیا۔ یہ نہیں کہا کہ برائی سے منع کرتے ہو۔ اگر برائی کا لفظ استعمال ہوتا تو سیئات یا معاصی کا لفظ استعمال کیا جاتا لیکن فرمایا 'منکر'۔ اس کا مطلب ہے' ہر وہ چیز جو آپ کی روحانی، معاشی، عمرانی اور سیاسی ترقی میں رکاوٹ ہو جو کاروانِ انسانیت کی ترقی میں رکاوٹ ہو۔ ایسے ہی معروف کا مطلب محض یا مطلق نیکی نہیں بلکہ ہر وہ چیز جو انسانیت کی روحانی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی ترقی کا باعث ہو۔ اور اس سے شرفِ انسانی کو چار چاند لگ سکیں۔ انسانیت کے مقدر کا ستارہ جگمگا اُٹھے، اُسے معروف کہتے ہیں۔

تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے محبوب کی اُمت کا وہ فریضہ بیان کیا جسے وہ کبھی چھوڑ نہیں سکتی۔ اگر وہ چھوڑتی ہے تو اُسے وہ منصب، وہ شرف اور سعادت چھوڑنا پڑے گی۔ ورنہ یہ فریضہ ادا کرنا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

تعاونوا علی البر و التقوىٰ و لا تعاونوا علی الاثم والعدوان

کہ جو کام نیکی اور پرہیزگاری کے ہوں، ان میں تعاون کرو۔ لیکن گناہ اور سرکشی کے کاموں میں کسی سے تعاون نہ کرو۔

اسی بات کو حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا، لوگو! میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جب لوگوں کا یہ حال ہو جائے کہ وہ برائی کو دیکھیں اور اسے بدلنے کی کوشش نہ کریں۔ ظالم کو ظلم کرتے ہوئے پائیں اور اس کا ہاتھ نہ روکیں تو بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے عذاب میں سب کو جکڑ لے۔ خدا کی قسم! تم کو لازم ہے کہ بھلائی کا حکم دو اور برائی سے روکو۔ ورنہ تم پر ایسے لوگ مسلط ہوں گے جو تم سب سے بدتر ہوں اور تم کو مختلف تکلیفیں پہنچائیں گے۔ پھر تمہارے نیک لوگ خدا سے دعائیں مانگیں گے مگر وہ قبول نہ ہوں گی۔

حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کتنی حکمت کے ساتھ اُمتِ محمدیہ کے فریضہ اور اس سے کوتاہی برتنے سے جو نتائج مرتب ہوتے ہیں' سے آگاہ فرما دیا۔ خود ہادیٔ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ جو اچھی باتوں کا حکم نہ دے اور برے (منکر) کاموں سے نہ روکے' وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا ایک واقعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ فلاں شہر کو جا کر غرق کردو، تباہ و برباد کردو اور اس کا نام و نشان مٹادو۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے۔ شہر کا جائزہ لیا تو اس میں ایک بڑا ہی نیک اور پارسا شخص رہتا تھا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا، مولائے کریم! اس شہر میں تو فلاں شخص اتنا نیک اور پارسا ہے کہ اس کے دن روزہ کی حالت میں اور راتیں تیرے حضور سجدے کرتے گزرتی ہیں۔ کیا اس کے ہوتے ہوئے یہ لوگ عذاب سے بچ نہیں سکتے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، تباہی کی ابتداء اُسی کے گھر سے کرو۔ کیونکہ اس کے سامنے میری شریعت کے احکامات کی توہین کی جاتی تھی، انہیں توڑا جاتا تھا اور کھلم کھلا برائی کا ارتکاب کیا جاتا تھا مگر اسکے چہرے کا رنگ تک غیرتِ ایمانی سے کبھی نہیں بدلا تھا مجھے ایسے بے غیرت نمازیوں اور روزہ داروں کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ اس شہر کو تباہ و برباد کردیا گیا اور سب سے پہلے اسی گھر کو۔

(کیمیائے سعادت از امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

ان حقائق سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ دین کی تبلیغ کرنا نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا ایک ایسا فریضہ ہے، جس سے کوتاہی اور چشم پوشی کبھی نہیں ہوسکتی۔ ہر مسلمان دینِ اسلام کا مبلغ ہے۔ اور اپنا یہ فرض جو مسلمان پورا نہیں کرتا وہ خدائے کائنات کے حضور اپنا جواب سوچ لے۔ مسلمان کا کام ظلم اور برائی پر خاموش رہنا نہیں بلکہ حق کے نفاظ کیلئے مقدور بھر کوشش کرنا اس کا فرض ہے۔ تو آؤ حق کے غلبہ کیلئے ہم اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہادیں اور اس وقت تک چین سے نہ بیٹھیں جب تک نظامِ مصطفیٰ کا نفاذ نہیں ہوجاتا۔

اے غلامانِ مصطفےٰ تم جہاں بھی جاؤ گے، وہاں نیکی ہی نیکی اور فرمانبرداری ہی فرمانبرداری ہوگی۔ وہاں ایسی چیز کو روا نہیں رکھا جائے گا جو منکر ہو اور شرفِ انسانی کی تذلیل کا باعث ہو۔

حضرت سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ایک آدمی سے کوئی ناشائستہ حرکت سرزد ہوئی۔ وہ بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوا۔ اس کا نام 'محمدؐ' تھا۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو خطاب کر کے فرمایا، اے فلاں شخص یا تو آج سے تم اپنا نام بدل لو، یا اپنے افعال کو۔ کیونکہ میری غیرت یہ گوارا نہیں کرتی کہ تم اپنے اخلاق سے گری ہوئی حرکتیں کرو اور کوئی یہ کہے کہ محمد نے یہ جرم کیا ہے۔

گر نہ داری از محمد ﷺ رنگ و بُو از زبانِ خود نیاوُر نامِ اُو

اگر تم میں یہ بالیدگیاں نہیں ہیں تو تمہیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ تم 'محمدؐ' کا نام اپنی گندی زبان پر لاؤ۔ نام تو تمہارا 'محمدؐ' ہو اور کام برے کرو اور لوگ کہتے رہیں کہ محمد نے یہ کام کیا ہے..... آیئے غور کریں کہ ہم کہلواتے کیا ہیں اور کرتے کیا ہیں۔

تم اس خزاں زدہ گلشن میں بہار بن کر آئے ہو تو تمہاری آمد سے یہ ایسی کائنات بن جائے کہ یہاں غنچے چٹک رہے ہوں۔ عندلیبیں نغمے بکھیر رہی ہوں۔ خوشیاں ہی خوشیاں چاندنی ہی چاندنی اور ہر سُو مسرتوں کا گلشن کھلا ہو۔ یہ کام کوئی آسان نہیں جو نور اور روشنی کا چراغ لے کر ظلمتوں سے نبرد آزما ہوا کرتے ہیں، انہیں بڑی مشکلات آتی ہیں۔ لیکن ان طوفانوں سے اور شرارِ بولہبی سے مقابلہ تو بہر طور کرنا ہوگا۔ انسان میں تو اتنی قوت نہیں، صرف ایک ہی قوت ہے کہ جس سے وہ مقابلہ کر سکتا ہے اور وہ ہے ایمان کی قوت۔ اس لئے فرمایا کہ ایمان کی قوت کا چراغ روشن کرو، جب یہ آجائے گی تو پھر کوئی مشکل، مشکل نہیں رہے گی۔ اُٹھو اور دنیا کو بتا دو کہ ہم مشکلات کے اس ہمالہ کو ریزہ ریزہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

ہم حق کے غلبہ کیلئے بڑے سے بڑے طوفان سے ٹکرانا جانتے ہیں۔ ہمیں شدادوں اور فرعونوں کا منہ توڑنا آتا ہے اور ہم نارِ نمرود میں کود کر اُسے گلزارِ خلیل بنا دیا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا مقام پہچاننے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنے فرائض سے عہدہ برآ ہونے کی توفیق بھی بخشے۔ آمین

۶ مئی ۱۹۷۷ء۔ قبل نمازِ فجر

ڈسٹرک جیل سرگودھا

(8) اصحاب فیل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الم ترکیف فعل ربك باصحٰب الفیل ..... الخ

میں نے جو سورۂ مبارکہ آپ کے سامنے تلاوت کی ہے۔ اس میں ایک مشہور واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ حبشہ ایک ملک ہے۔ اس کا ایک صوبہ یمن تھا، جس کے گورنر کا نام ابرہہ تھا۔ وہ بڑے رُعب اور دبدبہ والا گورنر تھا۔ اس نے خیال کیا کہ یہ ساری دنیا جو خانہ کعبہ کی زیارت اور حج کیلئے جاتی ہے، کیوں نہ میں ایسا انتظام کردوں کہ یہ بھی میرے پاس ہی آئیں۔ جس طرح میں ملک کا سیاسی حاکم ہوں، اسی طرح لوگ مذہبی طور پر بھی مجھے عقیدت واحترام کی نگاہ سے دیکھیں اور جس طرح مکہ مکرمہ دنیا کی نگاہوں کا مرکز ہے ایسے ہی ہمارا شہر لوگوں کی عقیدتوں کا مرکز ومحور بن جائے۔ چنانچہ سب سے پہلے اُس نے خانہ کعبہ کی طرز پر ایک خوبصورت مکان بنوایا۔ ایک گھر بنایا اور لوگوں کو دعوت دی کہ وہ اَن گھڑی اینٹوں اور پتھروں کے بنے ہوئے گھر کو چھوڑ کر اس سنگِ مرمر کے بنے ہوئے خوبصورت ترین مکان کے طواف کو آئیں۔ لیکن اس کی ساری کوششوں کے باوجود کوئی ایک فرد بھی اس مکان کی زیارت کیلئے نہ گیا۔ اس کی ساری کاوشیں ناکام ہوگئیں۔ اُس کے سارے منصوبے پیوند خاک ہوگئے۔ اس نے سرداری کا جو خواب دیکھا تھا وہ فضاء میں تحلیل ہوگیا۔ ابرہہ کے غصے کی انتہا ہوگئی۔ وہ طاقت اور اقتدار کے نشہ میں بدمست ہوگیا اور اس نے خانہ کعبہ کو گرانے کا ناکام منصوبہ بنایا تاکہ یہ قصہ ہی پاک ہوجائے۔ چنانچہ مست ہاتھیوں کے ایک لشکرِ جرار کے ہمراہ وہ اپنے ناپاک عزائم کو عملی جامہ پہنانے کیلئے چڑھ دوڑا۔ خانہ خدا کے قریب پہنچ کر وہ رُک گیا اور اُس نے حضرت عبدالمطلب کے اونٹ پکڑ لئے۔ آپ کو پتا چلا تو آپ تشریف لائے۔ نورِ محمدی کا جلال و جمال چہرے سے مترشح تھا۔ ابرہہ احترام کیلئے کھڑا ہوگیا۔ اُس پر ایسا رعب اور دبدبہ چھایا۔ اُس نے دل میں سوچا کہ یہ جو بات بھی کہیں گے میں مان جاؤں گا۔ اُس نے پوچھا، کیسے تشریف لائے؟ آپ نے فرمایا، آپ نے میرے اونٹ پکڑ لئے ہیں' وہ لینے کیلئے آیا ہوں۔ ابرہہ نے کہا، میں نے تو خیال کیا تھا کہ آپ مجھ سے خانہ کعبہ پر حملہ نہ کرنے کی درخواست کریں گے اور اپنے اونٹ نہیں مانگیں گے۔ آپ نے فرمایا، خانہ کعبہ کا مالک اللہ ہے' اُس کی حفاظت اُس کا اپنا مالک کرے گا۔ اونٹوں کا مالک میں ہوں' مجھے اپنے اونٹ چاہئیں۔ ابرہہ خوش ہوگیا کہ اب میرے راستہ میں کوئی رُکاوٹ نہیں رہی۔ لیکن جب اُس نے مست ہاتھیوں کے ساتھ حملہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے چھوٹے چھوٹے ابابیل بھیج کر انہیں تہس نہس کردیا۔ اس لشکر کا نام ونشان تک مٹ گیا اور سارا لشکر میدانِ جنگ میں کھائے ہوئے بھوسہ کی طرح بکھر گیا۔

آپ نے دیکھا کہ جب ابرہہ نے طاقت کے نشہ میں دھت ہوکر خانہ خدا کو تباہ کرنے کی کوشش کی تو خدا نے اپنی قدرت سے باطل کا سرِ غرور خاک میں ملا دیا۔ لیکن کیا ہمیشہ ایسا ہوتا آیا ہے؟ جب ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ پتا چلتا ہے کہ اُسی بار نہیں بلکہ کئی بار خانہ خدا پر دشمنانِ خدا نے حملہ کا ناپاک منصوبہ بنایا۔ منجنیقوں سے گولہ باری کی گئی۔ اس کا غلاف جل گیا۔ ایک دیوار منہدم ہوگئی۔ قرامطہ نے صحن حرم میں عین حالتِ احرام اور نماز میں ہزار ہا حاجیوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کر دیا۔ صحن حرم حاجیوں کے خون سے رنگین ہوگیا۔ وہ نیم جان تڑپتے رہے اور ظالم رقصِ بسمل کا تماشا دیکھتے رہے لیکن کوئی آندھی نہ آئی، کوئی طوفان نہ اُٹھا، کوئی ژالہ باری نہ ہوئی اور ظاہری طور پر کوئی ایسے آثار نمودار نہ ہوئے کہ دشمن تہس نہس اور نیست و نابود ہو جاتا۔ جبینِ فطرت پر کوئی شکن تک بھی نہ آئی۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا اس کا مطلب یہ تھا کہ خانہ کعبہ اس وقت (ابرہہ کے زمانہ میں) خدا کا گھر تھا اور اب نہ تھا، یا اس وقت خدا میں دفاع کی قوت تھی اور اب نہ تھی۔ نہیں! اس کا مطلب ہرگز ہرگز یہ نہیں تھا بلکہ جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں اس کی وجہ ایک ہی ہے کہ محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اُمت کے معرضِ وجود میں آنے سے قبل یہ بے شک خدا کا کام تھا کہ وہ ابابیلوں سے اپنے گھر کی حفاظت کرائے۔ مچھر جیسی کمزور ترین مخلوق سے نمرود جیسے جابر و ظالم کو نیست و نابود کرادے۔ مگر آپ کی تشریف آوری کے بعد آپ کے غلاموں کے ہوتے ہوئے خدا کی غیرت یہ گوارا نہیں کرتی کہ زمین پر محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلام بھی موجود ہوں اور پھر بھی حق کی حفاظت کیلئے آسمان سے ابابیل یا کوئی اور مخلوق بھی نازل ہو۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ خدا اب اپنے بندوں کی مدد نہیں فرمائے گا۔ نصرتِ خداوندی اب مجاہدین کا استقبال نہیں کرے گی۔ ایسا ہرگز نہیں۔ بلکہ باطل کو ختم کرنے کیلئے اور خدا کے دین کی حفاظت کیلئے فرشتے اب بھی نازل تو ہوں گے۔ لیکن آگے آگے آپ ہوں گے اور آپ کے پیچھے پیچھے فرشتے ہوں گے۔ میدانِ جہاد میں آپ ہوں گے اور نصرتِ الٰہی آپ پر سایہ فگن ہوگی۔ بدر کے میدان میں دشمن سے پنجہ آزما ہونا تیرا کام ہے اور تیری نصرت کیلئے فرشتوں کو آسمان سے قطار اندر قطار بھیجنا خداوند کریم کا کام ہے۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اُتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

(اقبال)

اس لئے آپ سب دینِ حق کی حفاظت کیلئے کمر بستہ رہیں۔ کیونکہ یہ فرض آپ ہی کو نبھانا ہے۔ اِن شاءَ اللہ کامیابی و کامرانی آپ کے قدم چومے گی۔ کیونکہ حق کو دنیا کے سامنے اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ پیش کرنا اب اُمتِ محمدیہ کا ہی کام ہے۔ اسے ثابت کرنے کیلئے سر کی قربانی بھی کیوں نہ دینی پڑے۔ کیونکہ سر دے کر حق کا بول بالا کرنے سے یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ میرا نظریہ اٹل ہے اور اس پر میرا ایمان اتنا واضح اور ٹھوس ہے کہ اگر سر ایک بار نہیں لاکھ بار بھی دینا پڑے تو یہ سعادت ہے ایسی ہی اٹل گواہی ہے جو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیش کی۔ اور ہمیں بھی ضرورت کے وقت ایسا ہی کرنا چاہئے۔ کیونکہ ہمیں اپنی منزل تک پہنچنے کیلئے جتنی بھی مصائب و مشکلات پیش آئیں گی ہمیں اُن پر قطعاً افسوس نہیں ہوگا۔

حضرت طارق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

ولسنا نبالی کیف سالت نفوسنا ..... اذا نحن ادرکنا الذی کان اجدرا

یعنی جب ہم اُس مقصد کو حاصل کرلیں جو بلند تر ہے، تو ہم اس چیز کی پرواہ نہیں کیا کرتے کہ کتنا خون بہہ گیا، کتنے لاشے تڑپ گئے اور کتنی گردنیں کٹیں۔ کیونکہ ہمیں جان نہیں اپنا مقصدِ حیات عزیز ہے۔ اور جب مقصد حاصل ہوجائے تو ان قربانیوں کی ہمیں قطعاً پرواہ نہیں ہوتی۔

آج بھی ہم جو تکالیف، جو مصائب برداشت کر رہے ہیں۔ اسکے بعد اگر ہمارا مقصد و مدعا حاصل ہوجائے، ملک میں نظامِ مصطفےٰ قائم ہوجائے، ناموسِ اسلام کا تحفظ ہوجائے۔ ابرہہ اور اس کا لشکر نیست و نابود ہوجائے تو ہمیں اس بات کی پرواہ نہیں ہوگی کہ ہمارا کتنا خون بہہ گیا، کیسے بہہ گیا، کتنی جوانیاں خاک اور خون میں مل گئیں۔ کیونکہ ؎

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

۱۹ اپریل ۱۹۷۷ء۔ بعد نمازِ فجر

ڈسٹرک جیل سرگودھا

(9) ذکرِ الٰہی سے اعراض

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ومن اعرض من ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا ونحشرہ یوم القیٰمۃ اعمٰی o

قال ربّ لم حشرتنی اعمٰی وقد کنت بصیرا o قال کذٰلک اتتک اٰیٰتنا فنسیتھا ج

و کذٰلک الیوم تنسٰی (طٰہٰ:۱۲۵،۱۲۶)

یہ آیت جو میں نے تلاوت کی ہے بڑی پُر جلال ہے۔ اگر دل بینا ہو تو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اور اسکی یاد سے غفلت ناممکنات سے ہے فرمایا: 'ومن اعرض من ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا ونحشرہ یوم القیٰمۃ اعمٰی' ہوتی اس کے پاس ہر چیز ہے، مکانات، باغات، مال و دولت کے ڈھیر، جاہ و حشمت، جوڑے اور گھوڑے، لیکن اُسے خوشی حاصل نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ خوشی و مسرت کا چراغ اس کے دل سے بجھا دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے عذاب کئی طرح کے ہوتے ہیں لیکن یہ عذاب بہت ہی بڑا ہے کہ وہ کوئی شے عنایت فرمادے، عطا کردے لیکن اس کے استعمال سے محروم کردے۔ آپ نے شاید سنا ہوگا کہ 'فورڈ' امریکہ کا امیر ترین آدمی تھا۔ فورڈ بسوں، ٹرکوں، ٹریکٹروں وغیرہ کی کمپنی اسی کی ملکیت تھی۔ اس کے ٹرک اور بسیں وغیرہ کیڑوں کی طرح دنیا کی سڑکوں پر رینگ رہے ہیں۔ اس کی دولت کا اندازہ لگایا ہی نہیں جا سکتا۔ اس کے روپے پیسے، سونے چاندی کے ڈھیر اور محلات بے حد و شمار ہیں۔ لیکن اس کے معدے میں ایک ایسی بیماری تھی کہ نہ وہ روٹی کھا سکتا تھا اور نہ ہی طرح طرح کے پھلوں سے لطف اندوز ہو سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی وہ ہزار نعمتیں جن سے ہماری زندگی میں فرحت اور تازگی ہے، اُن سے وہ محروم کر دیا گیا۔ وہ گندم کے چھان میں نمک ڈال کر کھاتا لیکن نعمت کے یہ دسترخوان جو خدا نے بچھا رکھے ہیں، سب کچھ دے کر بھی محروم کردے تو وہ قادر ہے اور اس نے اُسے محروم کر دیا تو فرمایا جو میری یاد سے غافل ہیں، جن کی زندگی نافرمانی میں گزر رہی ہو، اُن کو ہم دو سزائیں دیتے ہیں:۔

۱ ..... ہم زندگی کا لباس ان پر تنگ کر دیتے ہیں وہ ایسی گھٹن اور تنگی محسوس کرتا ہے کہ راحت و خوشی کا وہاں گزر بھی نہیں ہوتا۔ یہ کاروں اور کوٹھیوں والے اور ان کی سج دھج کو دیکھ کر آپ منہ میں پانی نہ بھر لایا کریں بلکہ معلوم نہیں اُن کے دل میں کیسی قیامت برپا ہوتی ہے۔ کیسی ذہنی کشمکش کا وہ ہر وقت شکار رہتے ہیں اور انہیں کس محشر سے واسطہ پڑا رہتا ہے۔ اللہ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔ آمین

ذرا غور کریں ہمیں کوئی تکلیف نہیں معمولی سی پابندی ہے۔ پھر بھی ہم اُسے ایک بڑی سزا محسوس کرتے ہیں۔ تو اگر خدا انسان کو ہمت وقوت دے کر اس سے فائدہ اُٹھانے کی قدرت سے محروم کردے تو اس سے بڑی سزا کیا ہوسکتی ہے۔ یہ سزا اس دنیا میں مختلف طرح سے ہوسکتی ہے۔ اولاد تو عطا فرمادی لیکن نافرمان۔ ہر جگہ بدنام۔ کبھی کہیں جوتے کھا رہے ہیں، کبھی کسی جرم میں پکڑے ہوئے ہیں۔ اسی طرح دولت ہے، لیکن طرح طرح کی ضلالتوں کا سبب بنتی ہے۔ [1] تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہئے کہ وہ ایسی آزمائشوں سے محفوظ رکھے۔

---

[1] مال ودولت کی بے ثباتی کے بارے میں حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

الا ان الدنیا ملعونة وملعون فیها الا ذکر الله وما والا وعالم او متعلم (مشکوٰۃ شریف)

آگاہ رہو کہ دنیا اور جو کچھ اس میں ہے سب ملعون ہے، سوائے اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی پسندیدہ چیزوں اور عالم یا علم سیکھنے والے کے۔

ایک اور حدیثِ پاک میں آپ فرماتے ہیں:

انما یکفیك من جمع المال خادم ومرکب فی سبیل الله (مشکوٰۃ شریف، کتاب الرقاق)

تجھے مال جمع کرنے کی قطعی ضرورت نہیں۔ تیری ضرورت کیلئے دو چیزیں کافی ہیں:

ایک خادم اور ایک گھوڑا جس سے تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں کام کرے۔

ان احادیث سے مال ودولت اور دنیا کی حقیقت واضح ہوجاتی ہے۔ آج کل بعض لوگوں کے ہاں روپے پیسے کی ریل پیل دیکھ کر لوگ خدا سے شکوہ کرنا شروع کردیتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی حکمت بیان فرمائی: (ترجمہ) جب تو دیکھے کہ اللہ تعالیٰ بلند وبرتر کسی آدمی کو باوجود اس کے کھلم کھلا گناہوں کے دنیا کی نعمتیں اور مال وجاہ دے رہا ہے اور جو وہ چاہتا ہے اسے مل جاتا ہے تو یہ سمجھ لے کہ اس کو رفتہ رفتہ گناہوں میں بڑھایا جارہا ہے تاکہ آخر میں اسے سخت عذاب میں مبتلا کیا جائے اور اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی: پس جو ان باتوں کو بھول گئے جو انہیں یاد دلائی گئی تھیں، تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے۔ یہاں تک کہ جب وہ اپنے مال وجاہ پر اِترا گئے، تو ہم نے اچانک ان کو پکڑ لیا اور وہ بے بس ہوکر رہ گئے۔ (مشکوٰۃ شریف، کتاب الرقاق)

مال ودولت کی اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد ہمارا فرض ہے کہ ہم اس پر اترائیں نہیں بلکہ اسے خدا کے راستے میں خرچ کریں۔ اللہ تعالیٰ کے دین کیلئے دولت خرچ کرنے والے ہی خوش قسمت اور کامیاب ہیں اور فرعون ونمرود کی طرح دولت پر سانپ بن کر بیٹھنے والے ہی خائب وخاسر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں خدمتِ دین کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین (مرتب)

۲..... جب وہ قبر سے اُٹھے گا جو میرے حضور سر نہیں جھکاتا تھا، اس کی آنکھوں پر غفلت کی پٹی بندھی تھی۔ وہ اپنے فارغ اوقات کو لہو ولعب میں بسر کر دیا کرتا تھا لیکن اسے کبھی میرے حضور حاضری دینے کی توفیق نہ ہوئی۔ تو جب قبر سے اُٹھے گا، اندھا ہو کر اُٹھے گا اُسے کوئی چیز نظر نہیں آئے گی۔ اس کی آنکھوں کی روشنی اور بینائی سلب ہو جائے گی۔ وہ کہے گا، یا اللہ! تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اُٹھایا۔ میری آنکھیں تو بینا تھیں۔ بالکل ٹھیک اور دُرست تھیں۔ میں نے تو چاند کی روشنی میں بڑی باریک تحریریں پڑھی ہیں۔ میری آنکھیں تو بڑی خوبصورت تھیں۔ مجھے اس سے کیوں محروم کر دیا گیا۔

جواب ملے گا 'قال كذٰلك اتتك اٰيٰتنا فنسيتها ج و كذٰلك اليوم تنسٰى' جب تو دنیا میں تھا، ہمارا وعظ تمہیں سنایا گیا۔ ہمارا پیغامِ حق تمہیں پہنچایا گیا۔ سیدھے راستے کی طرف تیری راہنمائی کی گئی۔ تمہیں خبردار کیا گیا کہ تم نے جو یہ زندگی اپنا رکھی ہے، اس کا انجام خطرناک ہے۔ اسے ترک کر دے۔ میری آیتیں تیرے پاس آئیں لیکن تم نے اُن پر غور نہ کیا۔ عمل نہ کیا۔ 'و كذٰلك اليوم تنسٰى' اس تھوڑی سی فانی زندگی میں تو نے مجھے فراموش کر دیا، اب اس باقی زندگی میں میری رحمت تیری دستگیری نہیں کرے گی۔

آپ غور کریں کتنی پُر جلال ہیں یہ آیتیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لو انزلنا هٰذا القراٰن علىٰ جبل لرايته خاشعا متصدعا من خشية الله ط

اگر ہم ان پُر جلال اور پُر رعب آیتوں کو پہاڑ پر نازل کرتے تو وہ ہیبت سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔

کیا ان آیتوں پر غور کرنے سے یہ بات پتا نہیں چلتی؟ کیا ہم نہیں سوچتے؟ کیا ہم نے جو روِش اپنا رکھی ہے، جو طریقہ اختیار کر رکھا ہے اس پر جو نتائج نکلیں گے، جو نتائج مرتب ہوں گے ان کے برداشت کی ہم میں ہمت ہے؟ ہرگز نہیں!

تو جس چیز کے برداشت کی ہمت ہی نہ ہو، اس کے قریب بھی نہیں جانا چاہئے۔ تو آیئے خدا تعالیٰ کے حضور توبہ کریں، اپنے گناہوں کی معافی مانگیں۔ کیونکہ جو بندہ خدا کی یاد کو دل سے بھلا دیتا ہے، خدا اس کے دل کو ویران کر دیتا ہے۔ خوشی و مسرت کی بہاریں وہاں تک رسائی حاصل نہیں کر سکتیں اور بلبل کے روح پرور نغمات وہاں سنائی نہیں دیتے۔

آج ہم یہ بہانہ کر دیتے ہیں کہ ہمیں فرصت نہیں ملتی۔ کیا کریں وقت نہیں ملتا کہ خدا تعالیٰ کے حضور سرِ نیاز جھکا سکیں۔ افسوس ہے کہ دنیا کے ہر کام کیلئے تیرے پاس وقت ہے لیکن اپنے خالق کے سامنے جھکنے کیلئے تیرے پاس وقت نہیں۔ خدا کی نافرمانی کیلئے تیرے وقت کی ساری گھڑیاں فارغ ہیں۔ اگر وقت نہیں تو صرف اس کی تابعداری کیلئے نہیں۔ حیرت ہے!

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑھ کر کوئی مصروف ہوسکتا ہے۔ مملکتِ اسلامیہ کا خلیفہ اور سربراہ راتوں کو مدینہ کی گلیوں میں پہرہ دیتا۔ پچھلی رات اپنے خالق کے حضور رو رو کر اس کی ابدی رحمتوں کے خزانے لوٹتا۔ دن کو مملکت کا کاروبار، جھگڑوں اور مقدمات کے فیصلے، فوج اور عدلیہ کی نگرانی، وسیع و عریض مملکت کا بوجھ، رعایا کی خبر گیری، لڑائیوں، مہمات اور جنگی اسکیموں کی تیاری وغیرہ کتنے اُمور تھے جن سے مردِ واحد کو واسطہ تھا۔ لیکن کیا دنیا کا کوئی انسان یہ بتا سکتا ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نمازِ پنجگانہ تو کجا ان کی نمازِ تہجد بھی قضا ہوئی ہو! بات صرف اتنی ہے کہ ہم خدا کی تابعداری کو ثانوی حیثیت بھی نہیں دیتے۔ اوّلیت ان امور کو دیتے ہیں جو ہماری دنیا اور ذاتی مفاد سے متعلق ہوں۔ لیکن دوستو! دنیا کی ہر چیز مل سکتی ہے مگر گیا ہوا سانس واپس نہیں آسکتا۔ یہ کوہِ نور ہیرے سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔ بزرگوں کے نزدیک 'جو دم غافل سو دم کافر' والا معاملہ ہے۔ کاش ہمارے دل میں یہ تصور پختہ ہو جائے کہ ہمیں ایک روز اپنے اعمال کا جواب دینا ہے اور پھر ان اعمال کے مطابق نہ ختم ہونے والی زندگی گزارنا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان میں سے نہ کرے، جن کی آنکھوں کا نور وہ سلب کر لیا کرتا ہے۔ خدا ان لوگوں میں سے کرے جو چٹائی پر بیٹھے ہوئے ہیں، روکھی سوکھی کھاتے ہیں لیکن وہ اپنے آپ کو 'سلطانِ زمان' سے کم نہیں سمجھتے۔ جن کیلئے جنت کی حوریں ہاتھوں میں پھولوں کے ہار لئے چشم براہ ہوں گی۔ اور جنت کی بہاریں ان کی راہ تک رہی ہوں گی۔ خدا تعالیٰ ہمیں ان لوگوں میں سے کرے۔ آمین ثم آمین

۴ مئی ۱۹۷۷ء۔ بعد نمازِ فجر

ڈسٹرک جیل سرگودھا

(10) پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عن عمرو بن میمون ن الاودی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لرجل وھو یعظہ اغتنم خمسا قبل خمس شبابك قبل ھرمك و صحتك قبل سقمك و غناك قبل فقرك و فراغك قبل شغلك و حیاتك قبل موتك

برادرانِ گرامی مرتبت! آج میں نے آپ کے سامنے ایک حدیث پڑھی ہے۔ یہ ایک وعظ ہے جو سیّد الواعظین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو فرمایا۔ اس سے زیادہ مؤثر اس سے زیادہ انسان کی قسمت کو بدلنے والا اور کون سا وعظ ہوسکتا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: 'اغتنم ..... شبابك قبل ھرمك' جوانی کو بڑھاپے سے پہلے غنیمت جانو۔ جب قوت ہو، جوانی ہو، طاقت ہو، یہ خیال نہ کرو کہ یہ ہمیشہ رہیں گی۔ یہ جوانی ڈھل جانے والی چیز ہے۔ آج ہے کل نہیں، پھر بڑھاپا آجائے گا۔ جب جوانی ہو اس وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت کرلو۔ جبکہ تم کھڑے ہوکر لمبی لمبی رکعتیں پڑھ سکتے ہو۔ جب تم طویل سجدے کرسکتے ہو۔ جب تمہارے کان اور آنکھیں عبادت میں مصروف ہوسکتی ہیں اور اس بڑھاپے کو پیش نظر رکھو جب تمہارے ہاتھوں میں رعشہ پڑجائیگا۔ جب تمہاری ٹانگیں کانپنے لگیں۔ جب تمہارے کان سننے کی قوت سے عاری ہوجائیں اور جب تمہاری آنکھیں دیکھ نہ سکیں۔ آپ اس وقت کہیں گے کاش میرے حواسِ خمسہ میرا ساتھ دیتے تو میں رات دن مصروف رہتا۔ اس لئے آج اپنے خداوند کریم کے حضور اپنی جبینِ نیاز جھکالو۔ لیکن جب ذوقِ فراواں کی یہ قوت جواب دے جائے گی تو پھر کفِ افسوس ملنے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

ہم سمجھتے ہیں کہ یہ جوانی کے دن اپنے نفس کو خوش کرنے کے دن ہیں۔ عیش وعشرت اور دیوانگی کے دن ہیں اور جب بڑھاپا آئے گا تو خدا کو راضی کرلیں گے۔ اس کے سامنے جھک جائیں گے اور اپنے ربّ کو منالیں گے۔ یہ دُرست ہے کہ خدا تعالیٰ غفور رحیم ہے، وہ بخش سکتا ہے، وہ معاف کرسکتا ہے، وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔ لیکن یاد رکھو کہ رمضان کا سارا مہینہ برکت والا ہے۔ اس کی ایک ایک رات برکتوں والی ہے، لیکن اس میں ایک ایسی رات بھی ہے' جسے لیلۃ القدر کہتے ہیں۔ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اسکی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل ہے۔ کتنی افضل ہے اس حقیقت تک ہماری رسائی نہیں ہوسکتی۔ وہ ایک ہی رات گرمیوں میں دس گھنٹے کی اور اگر سردیاں ہوں تو چودہ گھنٹے کی ہوتی ہے۔ لیکن ہزار ماہ سے افضل، بہتر اور کئی گنا بہتر۔ اگرچہ رمضان کا مہینہ اور اس کی ساری راتیں اور ساری گھڑیاں افضل ہیں مگر لیلۃ القدر سب سے افضل۔ مومن کی زندگی بھی ایسی ہی ہے جیسے رمضان کا مہینہ، اس کا اوّل بھی خیر اور آخر بھی خیر۔ لیکن جس طرح رمضان کے مہینہ میں لیلۃ القدر کا مقابلہ نہیں، اسی طرح انسان کی زندگی میں جوانی کی گھڑیوں کا بھی کوئی مقابلہ نہیں۔

قیامت کے روز جن پانچ سوالوں کے جواب دیئے بغیر آدم کے بیٹے کے قدم اپنی جگہ سے ہٹنے نہ پائیں گے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ پوچھے گا، بتا! میں نے تجھے جوانی دی تھی تو نے اسے کن باتوں میں گنوایا؟ تو کیا اس سوال کا جواب دینے کی ہم میں ہمت ہے۔ جب سورج سر پر چمک رہا ہوگا۔ انسان پسینے میں غرق ہوں گے۔ اس وقت ہمارا کیا حال ہوگا؟

جس نے یہاں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی کو خضرِ راہ بنایا، سحر خیزی میں جوانی کے دن گزارے تو اس کا مقابلہ زندگی کی کوئی اور گھڑی نہیں کرسکتی۔ تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا 'خذ من شبابك لهرمك' جب کان سن سکتے ہیں، آنکھیں دیکھ سکتی ہیں، پاؤں چل سکتے ہیں' اللہ تعالیٰ کو راضی کرلو۔ اور ایک وقت وہ بھی آئے گا جب بڑھاپا تمہیں اپنے چنگل میں جکڑ لے گا۔ اس لئے جوانی کے دِنوں کو غنیمت جانو اور خدا کی یاد میں گزار لو۔

دوسرا ارشاد فرمایا 'وصحتك قبل سقمك' اور صحت کو بیماری سے قبل غنیمت جانو۔ یہ صحت یہ قوتیں اور توانائیاں جو تمہارے انگ انگ سے ٹپک رہی ہیں، یہ بھی جواب دے سکتی ہیں۔ جوانی میں ٹی بی اور دیگر بیماریاں بستر پر ڈال سکتی ہیں۔ اس لئے نصیحت فرمائی کہ 'خذ من صحتك' جب صحت دُرست ہو، جب تو اپنی مرضی کے مطابق جاگ سکتا ہو، کام کرسکتا ہو تو اس غرور میں نہ رہے کہ یہ صحت سدا اسی طرح رہے گی، بلکہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ بستر سے اُٹھ کر مسجد جانے کی بھی تم میں ہمت نہ ہوگی۔ اس لئے جب ہاتھ اور پاؤں ساتھ دے رہے ہوں تو اس غلط فہمی کا شکار نہ ہو کہ ہمیشہ ایسا ہی رہے گا بلکہ ایسا دن بھی آسکتا ہے کہ تو درد سے تڑپ رہا ہو، بلبلا رہا ہو اور چیخیں مار رہا ہو۔ اس لئے صحت میں اللہ کی عبادت کی عادت ڈال لو تاکہ بیماری میں بھی یہ عبادت کرسکو۔

رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں، جب بندہ بیمار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ مقرر کردیتا ہے کہ میرا یہ بندہ جب صحت مند ہوتا تھا تو فلاں فلاں عبادات کیا کرتا تھا۔ آج یہ بیمار ہے اور تہجد نہیں پڑھ سکا، نوافل ادا نہیں کرسکا تو آج اس کے نامہ اعمال میں تہجد اور نوافل لکھ دے تاکہ اس کے نامہ اعمال میں کسی قسم کی کمی نہ آئے۔

ایک اور ارشاد ہے کہ اس کی نیند، بھوک اور پیاس واپس لے لو۔ پھر اس کے گناہوں کی گٹھڑی بھی اس کے سر سے واپس لے لو اور جب بیماری کی مدت ختم ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کی نیند، بھوک اور پیاس واپس کر دو۔ فرشتہ عرض کرتا ہے اے ربِّ کریم! نیند، بھوک اور پیاس تو واپس کر دی، کیا گناہوں کی گٹھڑی بھی واپس کر دوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، نیند، بھوک اور پیاس واپس کر دو لیکن وہ گناہ میں نے معاف کر دیئے ہیں ان پر قلم پھیر دو اور انہیں واپس نہ کرو۔ ذرا سوچئے کہ کون سی ایسی چیز ہے جو ہمیشہ رہنے والے ہے۔ ہماری خوشیاں بھی فانی، ہمارے غم بھی فانی، ہماری زندگی بھی ختم ہونے والی۔ تو سمجھتا ہے کہ جب صحت ہو تو سینما جانا چاہئے۔ خوشی سے بھنگڑا ڈالنا چاہئے اور جب بیماری ہو تو خدا تعالیٰ کی عبادت کرنی چاہئے۔ یہ دُرست ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت عبادت پسند کرتا ہے۔ لیکن لطف تو تب ہے کہ تیری صحت ہو اور تو خداوند کریم کے حضور جھک رہا ہو۔

پھر فرمایا 'اغتنم ..... و فراغك قبل شغلك' اور فرصت کو مصروفیت سے پہلے غنیمت جاؤ۔ یعنی جب تجھے فراغت ہو، پابندی نہ ہو اور تو اپنے وقت کا خود مالک ہو (جیسے ہم یہاں جیل میں ہیں) تجھے فکر اور پریشانی نہ ہو۔ جب ایسے فرصت اور فراغت کے لمحے ہوں تو انہیں ضائع نہ کرو۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کل ایسا وقت آجائے کہ تمہاری فکر اور پریشانی بڑھ جائے۔ تمہارے سکون کے لمحات ختم ہو جائیں۔ تمہیں مقدمات اور لڑائی جھگڑے درپیش ہو جائیں لیکن جب تجھے ایسی پریشانیاں نہ ہوں جب فرصت اور فراغت کے لمحے نصیب ہوں تو انہیں ایسے خرچ کیا کرو کہ جب مصروفیت کے لمحے آجائیں تو تجھے پریشان نہ ہونا پڑے۔

زندگی کے لمحات کو صحیح اور مناسب طور پر خرچ کرنے کا کلیہ خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک حدیثِ پاک میں ارشاد فرمایا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ غیر ضروری اُمور کو ترک کر دینے میں اسلام کا حسن ہے۔ کتنا جامع، پیارا اور ہمہ گیر کلیہ ہے یعنی جن کاموں کے بغیر ہمارا گزارا ہو سکتا ہے، وہ چھوڑ دیئے جائیں اور جن کے بغیر ہمارا گزارا نہیں ہو سکتا انہیں ضرور کرنا چاہئے۔ فرائض ضرور ادا کرنے چاہئیں۔ جب ایک انسان اس کی بنیاد بنا کر اپنا وقت تقسیم کریگا تو اُسے قلّتِ وقت کی بھی شکایت نہ ہوگی۔ معاشیات میں ترجیحات کا اصول اپنایا جاتا ہے۔ اکثر ممالک خصوصاً ترقی پذیر ممالک کا اپنے بجٹ اور ترقیاتی منصوبوں کے بغیر گزارا نہیں ہو سکتا۔ جو ضروری ہیں وہ ضرور پایہ تکمیل کو پہنچائے جائیں اور جن کے بغیر گزارا ہو سکتا ہے انہیں ملتوی کر دیا جائے۔ محدود وسائل کے ہوتے ہوئے لامحدود خواہشات کے ساتھ اسی طریقہ سے نپٹا جا سکتا ہے۔ جو کلیہ چودہ سو سال بعد دنیا اپنا رہی ہے نبی معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں قبل ہی ہمیں آگاہ فرما دیا تھا۔ کاش ہم اپنے حکیم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ان ارشادات پر عمل کرتے اور دنیا میں مہر و ماہ بن کر چمکتے۔

پھر فرمایا 'اغتنم ..... و حیاتك قبل موتك' زندگی کو موت سے قبل غنیمت جانو۔ یہ زندگی کا آفتاب ہمیشہ طلوع نہیں رہے گا۔ اسے ڈھلنا اور ڈوبنا بھی ہے۔ اسے اس طرح خرچ کرو کہ جب دنیا سے جاؤ تو تمہیں افسوس نہ کرنا پڑے۔ ذکرِ الٰہی کے نور سے تیری قبر جگمگا رہی ہو اور دُرود شریف کی برکت سے وہاں رحمتیں ہی رحمتیں ہوں۔ یہ نہ ہو کہ صحت ہو تو تُو کہے کہ اب بھنگڑا ڈال لیں پھر خدا کو راضی کرلیں گے، خدا کے حضور جھک جائیں گے۔ یہ نہ ہو کہ فراغت کے لمحے تجھے میسر ہوں اور تُو انہیں یونہی ضائع کرتا رہے اور یہ کہے کہ آنے والے وقت میں خدا کی رضا حاصل کرلیں گے۔ یہ نہ ہو کہ تو زندہ رہے اور خدا کی یاد سے غافل رہے۔ اور جب موت تیرے سامنے کھڑی ہو تو تُو افسوس کر رہا ہو اور توبہ کر رہا ہو۔ اور یہ حسرت کر رہا ہو کہ کاش اب مجھے دنیا میں کچھ وقت اور دیا جائے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، قبر تو دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے یا جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

تو ہم کوشش کریں کہ ہماری قبر دوزخ کا گڑھا نہ ہو بلکہ جنت کے باغ میں سے ایک باغ ہو۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے غلاموں کو یہی نصیحت فرمائی اور آج بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہی فرمان ہمارے جادۂ حیات کو کہکشاں بنا سکتا ہے۔

خدا تعالیٰ ہمیں اپنے محبوب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

۲۴ اپریل ۱۹۷۷ء۔ بعد نمازِ فجر

ڈسٹرک جیل سرگودھا

مومن کی شان (11)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ ایک بڑی پیاری، ایمان افروز اور حقیقت افروز حدیث ہے۔ ایک دن نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خانہ کعبہ کا طواف فرما رہے تھے۔ طواف کرتے کرتے آپ ٹھہر گئے۔ ٹھہر کر رخ مبارک کعبہ کی طرف کر کے کہا، اے اللہ تعالیٰ کے گھر تو بڑا ہی پاکیزہ ہے اور تو بڑا عزت والا ہے۔ تیری پاکیزگی، عزت اور شان کی کوئی حد نہیں۔ لیکن مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ مومن کی جان اور مومن کا مال اور مومن کی آبرو تجھ سے بھی خدا کے حضور زیادہ شان والی ہے۔ (ابن ماجہ)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تو بڑا عزت والا ہے پاکیزگی اور شان والا ہے۔ لیکن بندۂ مومن کا مال تجھ سے بھی مرتبے اور شان و عظمت میں زیادہ ہے۔ ثابت یہ ہوا کہ جناب ہادی اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انسانیت کو جو شرف عطا فرمایا وہ کسی اور نے نہیں دیا۔

اسلام سے قبل لوگ ایک دوسرے پر زیادتی کرتے تھے، ظلم کرتے تھے اور عزتیں پامال کرتے تھے۔ لیکن آپ کی تشریف آوری کے بعد انسانیت کا خفتہ بخت بیدار ہو گیا۔ کائنات کے نصیب جاگے اور انسانیت کو وہ شرف نصیب ہوا کہ نہ کوئی غریب رہا اور نہ امیر، عزت و ذلت کے پیمانے بدل گئے۔ اب عزت دار وہ نہیں تھا جو مال و دولت کے خزانوں کا مالک تھا بلکہ.....

ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقٰکم ط (الحجرات:۱۳)

(ترجمہ) بے شک اللہ کے نزدیک عزت و تکریم والا وہی ہے جو زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے۔

یہی بات تھی کہ حضرت سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سویا نہیں کرتے تھے بلکہ سارا دن کام کرنے کے باوجود رات کو مدینہ کی گلیوں میں چکر لگاتے کہ کوئی پریشان حال نہ ہو۔ کوئی تکلیف میں مبتلا نہ ہو۔ سارا دن مملکت کا کام کرنا اور رات کو مدینہ کی گلیوں میں پہرہ دینا یہ اسی کی نگاہِ کرم کا فیض تھا۔

جن کے خلاف ہم نے محاذ بنایا ہوا ہے اور ہم اپنے حقوق کی جنگ لڑ رہے ہیں، انہیں اپنی ذات عزیز ہے اور بندۂ مومن کے خون کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ گلیاں اور بازار خون کے چھینٹوں سے رنگین ہو رہے ہیں۔ قوم کی ماؤں اور بیٹیوں پر لاٹھیاں برس رہی ہیں۔ شرم و حیا کو سرِ بازار رُسوا کیا جا رہا ہے لیکن ان کی جبین پر شکن تک نہیں آتی۔ انہیں یہ خیال ہی نہیں کہ کل قیامت کے روز یہ پوچھا جائے گا کہ تم نے اپنی انا کی تسکین اور ذات کے تحفظ کیلئے غیرت و عزت کو کچل کر رکھ دیا تھا کہ تم نے قوم کی ناموس کو نیلام کیوں کیا تھا؟

جہاں اربابِ حکومت پر یہ فرض عائد ہوتا ہے وہاں ہمیں بھی یہ سوچنا چاہئے کہ ہماری وجہ سے کسی کی بے عزتی تو نہیں ہو رہی۔ کسی کی آبرو پر حرف تو نہیں آ رہا۔ اور کوئی ہماری وجہ سے فریاد کناں تو نہیں ہے۔

ایک دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کی منڈی میں گئے وہاں گندم کے ڈھیر لگے ہوئے تھے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک ڈھیر کے پاس سے گزرتے ہوئے اپنا ہاتھ اس میں ڈال دیا۔ انگلیوں کے پوروں کو بھیگی بھیگی گندم محسوس ہوئی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دانے باہر نکالے اور مالک سے مخاطب ہو کر فرمایا، یہ کیا ہے کہ اوپر تو خشک دانے ہیں اور اندر بھیگے ہیں؟ اس نے عرض کیا کہ میں نے یہ گندم فروخت کرنے کیلئے گھر رکھی تھی۔ لیکن فروخت نہ ہو سکی۔ پھر کل یہاں لایا۔ رات کو بارش کی وجہ سے بھیگ گئی۔ میں نے خشک کر کے اوپر ڈال دی اور بھیگی ہوئی نیچے تا کہ فروخت ہو جائے۔ یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف ایک یہ بات فرمائی 'من غش فلیس منا' جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں۔ تُو نے دھوکہ کیا ہے کہ خشک اوپر اور تَر نیچے۔

آپ نے حدیث شریف کے الفاظ پر غور کیا۔ یہ فرمایا کہ جس نے کسی انسان کے ساتھ دھوکہ کیا وہ ہم میں سے نہیں۔ یعنی ایک فرد کے ساتھ زیادتی اور دھوکہ کو اپنی ذات گرامی کی طرف منسوب کیا اور اس سے بری الذمہ ہونے کا اعلان کیا کہ جو کسی ایک مسلمان کے ساتھ دھوکہ کرتا ہے وہ میرے ساتھ دھوکہ کرتا ہے۔ اجتماعیت، تنظیم، محبت و یگانگت کی اس سے بڑھ کر کوئی مثال نہیں پیش کی جا سکتی۔

یہاں تو (دین اسلام میں) نفع بھی اجتماعی، نقصان بھی اجتماعی، خوشیاں اور مسرتیں بھی سانجھی اور غم واندوہ کے طوفان کے مقابلہ میں بھی سارے ایک۔ اگر دنیا کے کسی ایک گوشے اور کونے میں کسی مسلمان کے پاؤں میں کانٹا چبھ جایا کرتا تھا تو دور، بہت دور دوسرے کونے میں موجود مسلمان اس کی چبھن اور کسک اپنے دل میں محسوس کرتا۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا ایسا ہی سہارا ہے جیسے عمارت کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کا سہارا ہوتی ہے۔ یہ فرما کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں پیوست کر کے دکھایا۔

(مشکوٰۃ شریف، کتاب الآداب)

ذرا غور تو فرمایئے اسلام جس محبت اور شفقت کی تعلیم دیتا ہے، اس کی مثال کہیں اور مل سکتی ہے؟

گندم بھیگ جائے تو اسے سکھایا جاسکتا ہے کیونکہ اسکے بھیگنے سے اس کی حالت میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آتی۔ وہ مضر صحت نہیں بنتی لیکن آپ نے اتنی بات بھی پسند نہیں فرمائی اور ہمارے ہاں سرخ مرچوں میں اینٹیں پیس کر ڈال دی جاتی ہیں۔ چائے کی پتی میں بھورا رنگ کر کے ملایا جاتا ہے۔ کھانڈ، دودھ، غرضیکہ کوئی شے بھی ملاوٹ سے پاک نہیں۔

غور فرمائیں اگر یہ خوراک معدے میں جائے گی تو معدہ اتنا طاقتور تو نہیں کہ لکڑ، پتھر ہضم کر سکے۔ آخر وہ جواب دے دے گا اور اس سے جو خطرناک اور قاتل صحت بیماریاں پیدا ہوتی ہیں، ان کے تصور سے ہی دل کانپ اٹھتا ہے۔ یہ ایک فرد کا نہیں پوری قوم کا معاملہ ہے۔ پوری قوم کی صحت کو داؤ پر لگایا جا رہا ہے۔ اسلئے پوری قوم کی صحت سے کھیلنے والے کتنے سنگین جرم کا ارتکاب کرتے ہیں اس لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے پوری ملت کا مسئلہ قرار دیتے ہوئے فرمایا: من غش فلیس منا ۔

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک حدیثِ پاک ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: زوال الدنیا اھون عند اللہ پوری دنیا کی تباہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتی، کوئی بھی وقعت نہیں رکھتی۔ من قتل رجل مسلم ایک مسلمان کے قتل کے مقابلہ میں۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ساری دنیا اتنی قیمتی نہیں جتنی ایک مومن کی جان اور آبرو ہے۔ کیا اس سے بڑھ کر شرف انسانی کی کوئی مثال ہوسکتی ہے۔ آپ اپنے سربراہانِ مملکت کو اسی پیمانے پر ناپیں کہ وہ کتنا کسی کی عزت و آبرو کی حفاظت کرتا ہے۔ وہ کتنا ناموس مومن کا پاسبان ہے۔ اگر سارے مسلمان اس ارشادِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر عمل پیرا ہوں تو معاشرہ تشکیل ہوگا اس کا ذرا تصوف فرمائیں۔

یہ ہمارے ساتھ جو جیل میں ہے اس میں ہمارے بھائی ہی ہیں، کوئی کسی کا مال چرا کر آیا ہے، کوئی کسی کی عزت داغدار کر کے آیا ہے کسی کے ہاتھ اپنے مسلمان بھائی کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔ حالانکہ کسی کا نام غلام رسول ہے اور کسی کا محمد صدیق وغیرہ۔

ہم جس مصیبت میں گرفتار ہیں یہ ہمارے گناہوں کی شامت ہے۔ ہم نے کبھی اپنے آپ پر غور نہیں کیا۔ ہم دوسروں پر تنقید کرتے وقت اپنے آپ کو چھوڑ جاتے ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ ہم جن اُمور کو ناجائز، حرام اور خلافِ شرع سمجھتے ہیں ان سے دستکش ہو جائیں۔ قوم افراد سے بنتی ہے۔ اگر رات کو ایک شمع روشن ہو، پھر دوسری رات، پھر تیسری رات، تو وہ رات نورٌ علیٰ نور ہو جائے گی۔ شمع فروزاں ہو جائے گی اور اس سے تاریکیاں چھٹ جائیں گی۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن کا مال، مومن کی جان اور مومن کی آبرو خانہ کعبہ سے بھی برتر اور زیادہ ہے۔ اس سے اندازہ لگائیں کہ کسی کا مال چرانا، کسی کی آبرو پر حملہ کرنا اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے۔ آمین

یکم مئی ۱۹۷۷ء۔ بعد نمازِ فجر

ڈسٹرک جیل سرگودھا

(12) مسلمان کی پہچان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

قال المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہٖ (مشکوٰۃ شریف، کتاب الایمان)

رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جو ارشادِ گرامی میں نے پڑھا ہے، پہلے اس کا ترجمہ سنئے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہٖ

مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کے شر سے مسلمان محفوظ رہیں۔

ایک شمع جل رہی ہو تو وہ اپنے ماحول کو نور سے منور کر دیتی ہے۔ جنگل میں پھول کھلا ہو تو وہ اپنے گرد و پیش کو معطر کر دیتا ہے۔ اور ریگستانوں میں سایہ دار درخت سفر کے تھکے ماندے اور درماندہ مسافر کو سکون و آرام اور سایہ بخشتے ہیں۔ اسی طرح محمدِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلام سے بھی انسانیت کو نورِ ہدایت نصیب ہوتا ہے اور اس کے سایہ رحمت کے نیچے دنیا کو سکھ اور آرام نصیب ہو جایا کرتا ہے۔ لیکن اگر ہم اپنے آپ کو غلامانِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہلانے کا دعویٰ کرتے ہیں اور کسی کو ہم سے سکھ اور چین نصیب نہیں ہوتا تو ہمیں اپنے دعویٰ غلامی پر نظر ثانی کرنا ہوگی۔

ذرا اسلام پر ایک نظر تو فرمایئے اس کی ہر ادا میں رحمت ہی رحمت اور سلامتی ہی سلامتی ہے۔ دنیا کی ساری قوموں کے ایک دوسرے سے ملتے وقت کے کچھ اصول و ضوابط ہیں۔ ہندو جب ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو 'نمستے' کہتے ہیں۔ انگریز ملتے ہیں تو Good Morning وغیرہ کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ لیکن اسلام کا طریقہ تو سب سے نرالا ہے۔ جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے ملتا ہے تو 'السلام علیکم ورحمۃ اللہ' کہتا ہے۔ یعنی تم پر سلامتی ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں۔ ایک مسلمان جب دوسرے مسلمان کیلئے یہ الفاظ استعمال کرتا ہے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ تم پر میری طرف سے سلامتی ہو۔ یعنی تمہیں میری طرف سے کوئی دُکھ نہیں پہنچے گا۔ میرے دل میں تیرے لئے بغض و عداوت کے انگارے نہیں، محبت اور رحمت کے پھول ہیں اور جواب میں دوسرا مسلمان بھی یہی کہتا ہے۔ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک اور ارشادِ گرامی ہے:۔

(ترجمہ) یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ وہ اس پر زیادتی کرتا ہے اور نہ ہی اس کو بے یار و مددگار چھوڑتا ہے اور جو کوئی اپنے بھائی کی حاجت روائی کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرے گا۔ اور جو کوئی ایک مسلمان کی مصیبت دور کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی آخرت کی مصیبتوں میں سے ایک مصیبت قیامت کے دن دور کرے گا۔ اور جو شخص مسلمان بھائی کی پردہ پوشی کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ (مشکوٰۃ شریف، کتاب الآداب)

آپ ذرا غور فرمائیں کہ نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کس طرح ایک مسلمان کا تعلق دوسرے مسلمان سے قائم فرمادیا اور انہیں لافانی ربط میں منسلک کردیا۔ اگر ہم اس پر عمل پیرا ہوں، اس فلسفہ کو سمجھیں تو دشمنی و حقارت اور نفرت کے جذبات کہیں رہ سکتے ہیں؟

نماز ہی کو لیجئے التحیات میں ایک مسلمان اپنے دوسرے بھائیوں کیلئے دعا کرتا ہے السلام علینا و علیٰ عباد اللہ الصالحین 'ہم پر بھی سلامتی ہو اور اللہ کے نیک بندوں پر بھی' اور جب آخر میں وہ 'السلام علیکم ورحمۃ اللہ' کہہ کر دائیں رُخ سلام پھیرتا ہے تو کہتا ہے کہ یا اللہ ان سب پر جو مجھ سے دائیں طرف ہیں سلامتی بھیج اور پھر بائیں طرف سلام پھیرتا ہے تو کہتا ہے کہ جو مجھ سے بائیں طرف ہیں ان پر رحمت و برکت اور سلامتی نازل فرما۔ اس طرح جہاں وہ اپنے لئے سلامتی کا طلبگار ہوتا ہے وہاں اپنے بھائیوں کیلئے سلامتی مانگتا ہے۔ تو اس حدیثِ پاک میں بھی یہی فلسفہ پیش کیا گیا ہے کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور جس کی زبان سے کسی مسلمان کو تکلیف نہ پہنچے اور وہ امن و امان میں رہیں۔ جب ہم سب ایک دوسرے کیلئے رحمت کا پیکر بن جائیں گے تو یہ دنیا جنت کا گہوارہ بن جائے گی۔ یہاں محبت اور اُخوت کے پھول کھلیں گے اور اس کے گلستانوں میں عندلیبیں بہار کے نغمے گاتی سنائی دیں گی۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے باہمی ربط و تعلق کو واضح فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: (ترجمہ) حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کیلئے ایسا ہی سہارا ہے جیسے عمارت کی اینٹ دوسری اینٹ کا سہارا ہوتی ہے۔ یہ فرما کر آپ نے ہاتھ کی انگلیوں کو آپس میں پیوست کر کے دکھایا۔ (مشکوۃ شریف، کتاب الآداب)

ایک اور حدیثِ پاک میں فرمایا کہ مسلمان قوم کی مثال ایک جسم کی مانند ہے جس کے اعضاء تمام مسلمان ہیں خواہ کہیں بھی بستے ہوں کسی بھی رنگ اور نسل سے تعلق رکھتے ہوں اور جس طرح جسم کا ایک عضو بے چین ہو تو سارا جسم بے چین ہو جایا کرتا ہے۔ ایسے ہی ایک فرد کی تکلیف پوری ملتِ اسلامیہ کو درد و کرب اور بے چینی میں مبتلا کر دیا کرتی ہے۔

مسلمانوں کے باہمی ربط اور تعلق کی اس سے بڑھ کر کوئی نظیر پیش کی جاسکتی ہے؟

دوستو! ہم اس نبی کی اُمت ہیں جس کے سر پر رحمۃ اللعالمینی کا تاج سجایا گیا، جس کی رحمت وشفقت کا بادل پوری کائنات پر جی بھر کر برسا اور جس سے کائنات کا ذرّہ ذرّہ مستفیض ہوا۔ اس لئے اس کے پیروکاروں کا فرض ہے کہ وہ انسانیت کیلئے مجسمہ امن وسلامتی بن جائیں۔ ذرا تصور تو فرمائیں کہ ایسا مثالی معاشرہ جس میں کسی کے ہاتھ اور کسی کی زبان سے کوئی تکلیف نہ پہنچے گاؤں میں، پھر شہر میں اور پھر ملک میں قائم ہو جائے تو وہ جگہ اور سرزمین جنگ ارضی کا نمونہ نہ بن جائیگی؟ اور وہاں کے لوگ آسمان سے اُترے ہوئے فرشتے معلوم نہیں ہوں گے؟ اور پھر ساری دنیا اسلام کے سایہ رحمت میں سکون حاصل نہیں کرے گی؟ یقیناً اسلام کا پیغام دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچ جائے گا اور یہ دنیا امن وسکون کی جگہ ہوگی۔ جہاں خوشی ومسرت کے نغمے گائے جائیں گے۔ اسی لئے فرمایا: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده۔

اگر ہم اس فرمانِ نبوی پر عمل پیرا ہو جائیں تو ہماری ساری مشکلات ختم ہو سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں امن کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

۱۰ اپریل ۱۹۷۷ء۔ بعد نمازِ فجر

ڈسٹرک جیل سرگودھا

(13) حضرت ابراھیم و اسماعیل (علیہما السلام) کی دعا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ربنا واجعلنا مسلمین لك ومن ذریتنآ امة مسلمة لك ص وارنا مناسكنا وتب علینا ج انك انت التواب الرحیم ٥ ربنا وابعث فیهم رسولا منهم یتلوا علیهم اٰیٰتك ویعلمهم الكتٰب والحكمة ویزكیهم ط انك انت العزیز الحكیم ٥

آج میں نے پہلے پارے کی دو آیتیں پڑھی ہیں۔ان کے بارے میں عرض کرنے کی جسارت کروں گا۔ (البقرہ:۱۲۸،۱۲۹)

قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی مزدور مزدوری کر لیتا ہے۔ جب کوئی خدمت گار خدمت انجام دے دیا کرتا ہے تو اسوقت خدمت لینے والا اُجرت دیا کرتا ہے۔ ہمارا بھی رواج ہے کہ جب بھی کوئی فرد کام سرانجام دیتا ہے، محنت مزدوری کرتا ہے، کوئی خدمت انجام دے دیتا ہے تو اسے اسکی اُجرت ادا کی جاتی ہے۔ یہ کبھی نہیں ہوا کہ کام مکمل کرالیا جائے اور اُجرت دینے کے وقت کوئی انکار کردے اس دور میں بھی اس چیز کو برا تصور کیا جاتا ہے کہ کام کرا کے اجرت نہ دی جائے۔ اب آپ خود تصور فرمائیں کہ خدمت لینے والا ربّ العالمین ہو اور خدمت سرانجام دینے والے حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسماعیل علیہما السلام ہوں تو جب خدمت کا فرض ادا ہو چکا ہوگا اور انہوں نے خدا کے حضور اپنی جھولی پھیلائی ہوگی، دستِ دعا دراز کیا ہوگا تو خدا نے ان کی بات مانی ہوگی یا نہیں؟

ضرور مانی ہوگی۔ کیونکہ یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک عام آدمی تو مزدوری ادا کرے لیکن ساری کائنات کا ربّ مزدوری ادا نہ کرے۔ خود سوچئے جب انہوں نے طلب کا دامن پھیلایا ہوگا، التجائیں کی ہوں گی تو انہیں شرفِ قبولیت بخشا گیا ہوگا یا نہیں۔

میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ان مقبول بندوں نے اس وقت اپنے مولائے کریم سے کیا مانگا؟ اس میں ہمارے لئے سبق ہے، درس ہے کہ ہم بھی ایسے وقت خدا سے کیسے مانگیں اور کیا مانگیں؟

اس شہنشاہ سے اس کی شایانِ شان ہی مانگنا چاہئے۔ اگر اس سے کوڑیاں مانگی جائیں وہ کریم دے تو دے گا، جھولی خالی واپس تو نہیں جائے گی لیکن ہم نے اس کی شانِ کریمی کا فائدہ نہیں اٹھایا۔ اس لئے انسان مانگے تو وہ چیز کہ جب مل جائے تو دل کی ساری حسرتیں مٹ جائیں، سارے ارمان پورے ہو جائیں، خواہشات تشنہ نہ رہیں اور پھر کسی سے مانگنے کی حاجت نہ رہے۔

حضرت خلیل اور حضرت ذبیح علیہما السلام نے سب سے پہلی التجا کی تو یہ کہ اے اللہ تعالیٰ! یہ خدمت جو بڑی مشکل آب و ہوا میں ہم نے انجام دی ہے۔ اس لُو میں محنت و مشقت سے تیرا گھر تعمیر کیا ہے۔ پسینہ میں شرابور تیری اطاعت کا فریضہ انجام دیا ہے۔ اب التجا یہ ہے: ربنا واجعلنا مسلمین لك ومن ذریتنآ ..... کہ ہماری اس محنت کو قبول فرمالے۔

کیونکہ نیکی وہ ہے جسے وہ شرفِ قبولیت بخشے۔ قدم وہی ہے جو اس کی جنابِ عالی میں منظور ہو۔ عمل وہی ہے جو اس کی بارگاہ میں قبول ہو جائے اور اچھا کام وہی ہے جسے اس کی نگاہِ کرم انتخاب کر لے۔

بندے کا کام یہی ہے کہ جب اچھا کام کرنے کی سعات نصیب ہو تو سراپا عجز بن کر دعا کرے کہ اے مولائے کریم! مجھے اپنے دربار میں حاضری کی توفیق دینے والے! مجھے اپنے حضور سر جھکانے کی توفیق بخشنے والے! میری یہ نیکی قبول فرما۔ کیونکہ یہ نیکیاں اور سحر خیزیاں اسی وقت ہی ہیں جب تیری بارگاہ میں منظور و مقبول ہوں۔

تو سب سے پہلے عرض آپ نے یہ کی کہ ہماری اس محنت اور کاوش اور جدو جہد کو قبول فرما۔ ہمیں بھی چاہئے کہ اچھے کام پر اترائیں نہیں، گھمنڈ نہ کریں۔ یہ سمجھیں کہ اس کی مہربانی اور توفیق سے یہ سب کچھ ہوا ہے اور پھر عرض کریں کہ اسے قبول فرما۔

دوسری التجا کی ربنا و اجعلنا .....الخ قبولیت کا وقت ہے۔ دینے والا مصروفِ جود و سخا ہے۔ مانگنے والے دامن طلب پھیلا رہے ہیں۔ کیا مانگتے ہیں' ربنا و اجعلنا .....الخ یا اللہ! مجھے بھی اور میرے فرزند کو بھی جب تک ہم اس دنیا میں رہیں جب تک سانس کا یہ رشتہ باقی رہے، تیرے ہر حکم کی فرمانبرداری کرتے رہیں۔ جب ایک جلیل القدر پیغمبر جس کا لقب خلیل اللہ ہے یہ دعا کرتے ہیں کہ جب تک یہ سازِ حیات بج رہا ہے ہم تیری بارگاہ میں اپنی جبین سجدوں سے سجاتے رہیں۔

فرمایا ہمیں اپنا فرمانبردار بنا لے اور جب تک زندہ رہیں تیری فرمانبرداری میں رہیں۔ و من ذریتنا .....الخ یہ نہ ہو کہ جب تک ہم زندہ رہیں تیرے ذکر کی شمع فروزاں ہو، تیری فرمانبرداری میں رہیں، تیری عبادت کا دور دورہ ہو۔ تیری یاد کے چراغ روشن رہیں اور جب ہم یہاں سے دار البقاء کی طرف چلیں تو سرکشی کا دور دورہ ہو جائے۔ تاریکی کا طوفان اُمڈ آئے اور کفر و شرک کی آندھیاں چھا جائیں۔ 'نہیں' بلکہ ہمیں ایسی اولاد عطا فرما کہ جس میں تیری فرمانبرداری کا جذبہ ہو، جو تیرے ہر حکم کی تعمیل کرے اور راہِ راست پر چلنے والے ہو (ایسی اولاد سے خدا بچائے جو ہر وقت غرور و نخوت کے پندار میں مبتلا رہے) یہاں بھی درسِ حکمت ہے کہ انسان اولاد مانگے تو ایک ہی التجا کرے کہ مولا! اولاد دے مگر ایسی کہ تیری فرمانبردار ہو۔

ایک ہوا کرتی ہے خواہش اور ایک ہوتا ہے اس خواہش کی تکمیل کے تقاضے ہر آدمی چاہتا ہے کہ اس کا بیٹا امام غزالی اور امام ابو حنیفہ (رحمہم اللہ) ہو لیکن اس خواہش کی تکمیل کے تقاضے بھی ہیں اس لئے آپ باپ ہونے کے تقاضے پہچانیں۔ کیونکہ یہ نہیں ہوا کرتا کہ بیٹا دودھ پیے مسلمان ماں کا جس میں اس کی سحر خیزیاں شامل ہوں، اس کے کانوں میں قرآن کریم کے الفاظ رس گھولتے رہیں ہوں اور بڑا ہو کر بیٹا ڈاکو بن جائے' یہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر ہو جائے تو اس میں ہماری کوتاہیاں شامل ہوتی ہیں۔ اسی لئے فرمایا کہ جب وہ پیدا ہو تو اس کے کانوں میں اللہ اکبر، اللہ اکبر کہو۔ تاکہ اس کے تحت الشعور میں یہ چیز

رچ بس جائے کہ میں شیطان نہیں بلکہ خدا کا بندہ ہوں اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا غلام ہوں۔ ہمارا فرض ہے کہ جب وہ ہوش سنبھالنے کے قابل ہوتو اسے ربّ کا راستہ دکھائیں۔ کیونکہ اگر ہم اسے ربّ کے حضور جھکنے کی عادت نہیں ڈالیں گے تو اور کون یہ فرض ادا کرے گا۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ کوئی باپ اپنے بیٹے کو اس سے اچھا عطیہ نہیں دے سکتا کہ اسے اچھے طریقہ سے زندگی بسر کرنا سکھادے۔

ایک اور ارشاد گرامی میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں، آدمی کیلئے کسی کو خیرات میں ڈھیر سارا مال دینے سے یہ بہتر ہے کہ اپنے بیٹے کو اچھی طرح تربیت کرنے اور اس کو نیک عادتیں سکھانے میں روپیہ خرچ کرے۔ (مشکوٰۃ شریف، کتاب الآداب)

آپ نے دیکھا! اولاد کی تربیت اچھے طریقے سے کرنے کی کتنی بڑی فضیلت ہے۔

مشکوٰۃ شریف کتاب العلم کی ایک اور حدیثِ پاک کے مطابق آدمی کے مرنے کے بعد جو اعمال اس کے کام آیا کرتے ہیں ان میں سے ایک صدقہ جاریہ اور نیک عمل کے ساتھ وہ نیک اولاد بھی ہے جو وہ اپنے پیچھے چھوڑ گیا ہے۔

بخت والے والدین وہی ہیں جو اپنی اولاد کے لوحِ قلب پر ذکرِ الٰہی کے نشانات ثبت کر جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ جب بھی ہمارا وقت آئے گا یہاں سے رُخصت ہونا ہے اور ہمارے بعد ہمارے مکانات، باغات، زمین، جائیداد یہ انہی کے نام ہو جائیں گے۔ تو اگر وہ خدا کے حضور آ کر نہیں جھکیں گے تو ہمیں کیا فائدہ ہوگا؟ لیکن اگر وہ جھکے گا تو کم از کم پانچ مرتبہ نماز تو پڑھے گا اور یہ دعا کرے گا: رب اجعلنی مقیم الصلوٰۃ و من ذریتی ..... ربنا اغفرلی ولولدی .....۔

جب تو قبر میں ہوگا تیری اولاد خدا تعالیٰ کے درِ کرم پر دستک دے گی تو خدا تیرے درجات بلند کریگا، تیری طرف نظر رحمت فرمائیگا اور اپنی بخشش کے دروازے کھول دیگا تو چاہئے کہ ہم اپنی اولاد کو مسلمان بنا کر جائیں اور اس سلسلے میں جتنی مشکلات بھی پیش آئیں ان سے دریغ نہ کریں۔

پھر فرمایا و ارنا منا سکنا .....الخ یاربّ العالمین ہمیں اپنی یاد کے راستے خود دکھا کر ہمیں اپنی عبادت کے طریقے خود سکھا۔ و تب علینا اور ہماری توبہ قبول فرمانا..... توبہ کے فاعل دو ہوتے ہیں کبھی انسان اور کبھی خدا۔ اگر اس کا فاعل انسان ہو تو اسکا مفہوم تو وہی ہے جو پہلے بتایا تھا کہ توبہ اسے کہتے ہیں کہ بندہ اپنے گناہوں پر خجالت محسوس کرے، اپنے گناہوں کی معافی مانگے اور پھر نہ کام کرنے کا عزم مصمم کرے لیکن جب فاعل اللہ ہو تو اس کا مفہوم کیا ہوا کرتا ہے؟ یہاں ہے تُب یعنی جب اللہ اپنی رحمت کی نگاہ سے بندے پر متوجہ ہوتا ہے پریشان حال بندے پر نظر کرم کرتا ہے تو اسے توبہ کہتے ہیں (اے اللہ تعالیٰ تو ہمیں شفقت کی نگاہوں سے دیکھتا رہ۔ تو بڑا مہربانی فرمانے والا ہے تو ہمیشہ بندوں پر کرم فرمانے والا ہے)۔

تو یہ دعائیں تھیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی تھیں۔ جب توبہ کا دروازہ کھلا تھا۔ جب مزدوری کر چکے تھے۔ پہلے جو مانگا اپنے لئے اور اپنی اولاد کیلئے مانگا۔ لیکن آخر میں جو دعا ہے یہ ساری مخلوق کیلئے ہے۔ کیا مانگا۔ عرض کی: ربنا وابعث فیھم رسولا میری اولاد میں سے ایک عظیم المرتبت رسول بھیجنا۔ معمولی نہیں کہ جس کا دامن رحمت وسیع نہ ہو بلکہ اتنا وسیع ہو کہ وہ زمان و مکان کی حدود سے ماوریٰ ہو۔ قیامت تک کیلئے لوگوں کے دلوں کو منور کرتا رہے۔

ایسا رسول آ کر کیا کرے۔ کشور کشائی نہیں، بلکہ وہ تیری آیتیں پڑھ کر سناتا رہے۔ یعنی شعر نہیں اور اپنی طرف سے بھی نہیں بلکہ کلام پاک بھی تیری ہو اور زبان بھی۔

سنا کر چلا نہ جائے بلکہ اس کتاب کے اسرار و معانی اور معارف اور الطاف و اسرار کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر سے بھی آشنا کرے اور تعلیم دے تا کہ کسی انسان کو موقع نہ ملے کہ کتاب تیرے رسول نے سنائی تو تھی مگر یہ پتا نہ چلا کہ یہ کیسے احکامات تھے اور کیا کرنا تھا۔ پڑھ کر سنائے بھی اور سمجھائے بھی۔ اور ایسا سمجھائے کہ عارف بھی سمجھے اور عامی بھی۔ لکھا پڑھا اور ان پڑھ بھی۔ غریب بھی اور امیر بھی۔ گورا بھی اور کالا بھی۔ جو بھی آئے اس دریائے رحمت میں غواصی کر کے موتیوں سے اپنا دامن مراد بھر لے۔

کیا یہی یا کوئی اور فریضہ بھی ہے؟ فرمایا: ویزکیھم ..... الخ ملوث ہو کر اس دربار میں آئے، اسے پاک کرے، جو صنم کدہ ہوں، وہاں تیری رحمت کا چراغ روشن کرے، نگاہ ڈالے اور آئینہ دل کو صاف اور شفاف کر دے۔ یہ معمولی التجائیں نہیں بلکہ بہت بڑی۔ لیکن اس کے سامنے نہیں جس کا دامن جود و سخا محدود ہے۔ جس کا علم اور جس کی قدر، متناہی ہے بلکہ اس کے حضور جو انت العزیز الحکیم ہے۔

یہ ہیں وہ دعائیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت کہیں جب درِ توبہ کھلا تھا اور جب وہ اپنا فریضہ ادا کر چکے تھے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی یہ دعائیں قبول فرمائیں۔ تو جب بھی مانگو ایسی چیز مانگو کہ پھر کوئی طلب نہ رہے۔ جنت کے پانی کے بارے میں ہے کہ رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب مومن کو حوضِ کوثر سے پانی پلائیں گے تو پیاس نام کی کوئی چیز نہ رہے گی۔

خدا ہمیں بھی ان آیات پر غور و فکر کی توفیق عطا فرمائے اور وہی چیزیں مانگنے کی توفیق دے جن کے ملنے کے بعد ساری آرزوئیں ختم ہو جائیں۔ آمین

۲ مئی ۱۹۷۷ء۔ بعد نمازِ فجر

ڈسٹرک جیل سرگودھا

(14) اللہ پر توکل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من اراد ان یکون اقوی الناس فلیتوکل علی اللّٰہ

حضرات! میں نے نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی آپ کے سامنے پڑھا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: من اراد ان یکون اقوی الناس فلیتوکل علی اللّٰہ جو شخص اس بات کا ارادہ کرتا ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ طاقتور ہو جائے، کوئی اس کا مقابلہ نہ کر سکے، کوئی اس کو پچھاڑ نہ سکے۔ اگر کوئی اپنے لئے یہ ارادہ رکھتا ہے تو اسے اللہ پر بھروسہ کرنا چاہئے اور جس کا توکل علی اللہ کامل ہو گیا تو وہ انسان وہی ہے جسے دنیا کی کوئی طاقت پچھاڑ نہیں سکتی۔ یہاں تک کہ موت بھی اسے شکست نہیں دے سکتی۔ یہ مختصر الفاظ جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان اطہر سے نکلے ہیں۔ آپ ان پر غور فرمائینگے۔ آپ کو حقیقت سمجھنے میں مدد ملے گی۔ انسان کے وسائل کتنے محدود ہیں، اسکے دوستوں کا حلقہ وسیع سہی۔ وہ بہت بڑا عالم بھی ہو۔ اس کے پاس دولت کی فراوانی ہو۔ ہزاروں خدام اس کی جنبش ابرو کے منتظر ہوں۔ وہ صاحبِ شوکت و اقتدار بھی ہو۔ پھر بھی کوئی مقام ایسا آتا ہے جب اسے پتا چلتا ہے کہ میرا یہ لشکر میرا ساتھ نہیں دے سکتا۔ یہ مال و دولت کے ڈھیر مجھے مصائب سے نجات نہیں دلا سکتے۔ اور اسے اعوان و انصار کی بے کسی اور بے بسی کا عملی مشاہدہ ہو جاتا ہے کہ یہ چیزیں کسی کام کی نہیں۔ جب یہ مقام آتا ہے کہ ظاہری قوتیں ساتھ چھوڑ دیں تو اس وقت ایک ایسی ذات بھی ہے جس کا نام 'اللہ' ہے، جو ہر طاقت پر غالب ہے۔ اس کے سامنے کسی فرعون کو دم مارنے کی جرأت نہیں ہوا کرتی۔ کسی شداد کی شوکت و جبروت کا چراغ نہیں جل سکتا۔ اس سے بڑا زور آور دنیا میں کوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام اور مقبول بندوں کو جو طاقت دے کر بھیجا تھا وہ یہی تھی۔ جس کی وجہ سے وہ بے سروسامان ہونے کے باوجود پہاڑوں سے ٹکرا گئے، دریاؤں میں کود گئے اور فرعون کے سامنے سینہ سپر ہو گئے پھر آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ ہمیشہ انہی کا پلڑا بھاری رہا۔

جب موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر مصر سے ہجرت کر کے بحرِ احمر کے کنارے پہنچے۔ فرعون کو پتا چلا کہ موسیٰ اور اس کی قوم جس سے ہم بیگار لیتے تھے، جو ہمارے خدام تھے، نوکر تھے۔ اور اگر اب یہ چلے گئے تو نوکر اور خدام کہاں سے آئیں گے تو وہ لشکر لے کر آپ کے تعاقب میں نکلا۔ فلما ترآء الجمعٰن قال اصحٰب موسیٰ انا لمدرکون (الشعراء:۶۱)

آپ اپنی قوم کے ساتھ بحرِ احمر کے کنارے پہنچے اور جب وہ اتنا قریب پہنچ گئے کہ فرعون نے بنی اسرائیل اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور بنی اسرائیل نے فرعون اور اس کے لشکر کو دیکھ لیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی پریشان ہو گئے کہ ہم پکڑے گئے۔ ہم تو گھر میں بڑے آرام سے تھے۔ آپ ہمیں دھکیل کر موت کے منہ میں لے آئے۔ آگے ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے اور پیچھے فرعون کا لشکر بھی بڑھتا چلا آ رہا ہے۔ محاصرہ تنگ ہے۔ آپ نے اس مشکل کا کیا حل کیا؟ گرتے ہوئے حوصلوں کو کیسے تسلی دی۔ زبان سے یہی نکلا: قال کلا ج ان معی ربی سیھدین (الشعراء:۶۲) فرعون مجھے کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا۔ میرا ربّ میرے ساتھ ہے۔ میں اکیلا نہیں۔ آپ کو مکمل اطمینان تھا۔ آپ جانتے تھے کہ خدا اپنے بندوں کو یونہی نہیں چھوڑ دیتا بلکہ ایسے وقت میں اس کی رحمت گھٹائیں باندھ کر آتی ہے۔ اس کی نصرت اپنے بندوں کا استقبال کیا کرتی ہے۔ چنانچہ آپ نے آگے بڑھ کر دریا میں اپنا عصا مبارک مارا۔

ٹھاٹھیں مارتا ہوا دریا رُک گیا۔ اس کی سر پھوڑتی ہوئی لہریں خاموش ہو گئیں۔ خوفناک منظر کا نام و نشان تک نہ رہا۔ عصا مارنے کی دیر تھی کہ دریا میں خود بخود راستہ بن گیا۔ دونوں طرف کا پانی جہاں تھا وہیں رک گیا اور حضرت موسیٰ علیہ اسلام اپنے ساتھیوں سمیت بخیر و عافیت پار نکل گئے اور فرعون کا لشکر انہیں نیل کی موجوں میں غرق ہو گیا۔

تو جب بندہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے تو نارِ نمرود گلزارِ خلیل بن جایا کرتی ہے۔ سمندر کی لہریں خود بخود رستہ دے دیا کرتی ہیں۔ اللہ پر توکل ہی مومن کا سب سے بڑا اسلحہ ہوتا ہے اور یہی آسرا ہوا کرتا ہے۔

جب حالات ناخوشگوار ہوا کرتے ہیں۔ جب ہر طرف حسرت و یاس کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ اس وقت ان کا اعتماد ہوتا ہے کہ یہ قوت کسی کام نہیں آئے گی۔ یہ لشکر کوئی کارنامہ سرانجام نہیں دے سکتا۔ لیکن جس ربّ العزت پر بھروسہ ہے اس کے نزدیک تو یہ تکلیف بڑی نہیں ہے۔

اسی لئے فرمایا کہ جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ وہ دنیا میں طاقتور ہو، اس کی ہمت کو کوئی شکست نہ دے سکے۔ اس کے بڑھتے ہوئے قدم کوئی روک نہ سکے۔ تو خدا پر بھروسہ رکھے۔ پھر یہ مشکل کے بادل چھٹ جائیں گے اور یہ مطلع صاف ہو جائے گا۔

لیکن توکل کا یہ مطلب نہیں کہ ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں اور جو کر سکتے ہیں وہ بھی نہ کریں۔ بلکہ فرمایا 'لیس للانسان الا ما سعیٰ' جتنے تمہارے وسائل ہیں جتنی تمہاری قوت ہے وہ تم صَرف کرو۔ جتنی کمی ہے وہ ہم پوری کر دینگے۔ تو اگر ہم چادر تان کر سو جائیں اور کہیں کہ خدا پر توکل ہے تو یہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا توکل تو ہوسکتا ہے لیکن غلامانِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا توکل نہیں ہوسکتا۔ موسیٰ کی قوم کے افراد جنہیں کہا گیا تھا کہ آؤ جنگ کریں لیکن انہوں نے کہا کہ اے موسیٰ (علیہ السلام)! تم اور تمہارا خدا جا کر جنگ کرو۔ جب علاقہ فتح ہوجائے گا تو ہم آجائیں گے۔ مکانات تعمیر کریں گے۔ مدرسے اور مسجدیں بنالیں گے۔ یہ بات بنی اسرائیل کو تو زیب دیتی تھی مگر محمدِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلاموں کو زیب نہیں دیتی، بلکہ سر دینا ان کا کام ہے۔

۱۷ رمضان المبارک ۲ھ کو جب آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ اعلان فرمایا کہ دشمن کا ایک لشکر جرار جو جنگی ساز و سامان سے لیس ہوکر اور جن کے پاس تلواریں ہیں، زرہیں ہیں، گھوڑے ہیں اور افرادی قوت ہے' اسلام کو نیست و نابود کر دینے کے ناپاک عزائم کیساتھ حملہ آور ہونے کیلئے بڑھتا آرہا ہے۔ تو اے میرے غلامو! اے میرے جاں نثار صحابہ! تمہارا کیا خیال ہے؟ تو غلامانِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ نہیں کہا تھا کہ تو اور تیرا خدا جا کر جنگ کرو، ہم آکر مالِ غنیمت سمیٹ لیں گے۔ بلکہ عرض کیا اے ہمارے آقا! ہم آپ کو وہ جواب نہیں دینگے جو قومِ موسیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیا تھا۔ بلکہ آپ کے ایک ادنیٰ اشارے پر ہم اپنی جانیں قربان کر دیں گے۔ ہم خود کٹ جائینگے لیکن آپ کو خراش نہیں آنے دیں گے۔ جہاں آپ کے بال کو تکلیف پہنچنے کا گمان ہوگا، وہاں ہم گردنیں پیش کر دیں گے اور پھر بدر کے میدان میں آسمان والوں نے دیکھا، زمین والوں نے مشاہدہ کیا، جنت والوں نے نظارہ کیا اور فردوس کی حوروں نے بھی، عرش والوں نے بھی دیکھا اور فرش والوں نے بھی کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے غلام پیٹ پر پتھر باندھ کر دشمن سے ٹکرا گئے تھے اور انہوں نے دشمن کو نیست و نابود کر دیا تھا۔

وہ کون سا جذبہ تھا اور کون سی طاقت تھی جس نے انہیں ایسا کرنے پر اُکسایا تھا؟ یہ اللہ تعالیٰ پر توکل اور محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے عشق تھا جس نے انہیں ہر چیز سے بے نیاز کر دیا تھا۔

تو جب اسلام پر نازک وقت آئے اس وقت سر دینا مسلمان کا کام ہے۔ جتنے وسائل ہیں، جتنی قوت ہے ان کو فراہم کرنا ہمارا کام ہے اور کامیابی سے ہمکنار کرنا خداوند کریم کا کام ہے۔

لیکن شرط یہ ہے کہ ناز قوت و شوکت اور تدبیر پر نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ ہو تو اللہ تعالیٰ خود مدد فرمائے گا:

ان تنصروا اللّٰہ ینصرکم و یثبت اقدامکم (سورۂ محمد:۷)

اگر تم اللہ تعالیٰ کی مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں باطل کے مقابلہ میں کامیابی عطا کرے گا۔

آپ جو یہ قید و بند کی تکالیف برداشت کر رہے ہیں۔ اپنی پکی ہوئی گندم کھیتوں میں چھوڑ کر آئے ہیں۔ بال بچے گھروں میں ہیں۔ کیونکہ آپ یہ سوچتے ہیں کہ اگر آج ہم نے قربانی نہ دی تو شاید اسلام کی صبح نہ ہو سکے۔ ہمیں یہ نہیں سوچنا چاہئے کہ ہمارا وزن ہاتھی جتنا ہے یا چیونٹی جتنا، بلکہ جتنا بھی ہے' ہمیں سارا وزن اسلام کے پلڑے میں ڈال دینا چاہئے۔ اِن شاءَ اللہ مولائے کریم خود مدد فرمائے گا۔ ارشادِ خداوندی ہے اگر تم اللہ تعالیٰ کی مدد کرو گے تو تمہیں کامیابی سے ہمکنار ہم کرینگے آپ روز جو کچھ سنتے ہیں ایسے نشیب و فراز راستہ میں آتے ہیں۔ آپ نیتوں کے خلوص کو سامنے رکھیں۔ حوصلہ بلند رکھیں۔ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا۔ 'ان تنصروا اللّٰہ ینصرکم'

تو فرمایا: من اراد ..... جو یہ چاہتا ہے کہ اسے کبھی نہ پچھاڑا جا سکے، وہ اپنے ربّ پر توکل کرے۔ جتنا اس سے ہو سکے۔ اس میں کاہلی اور سستی نہ کرے۔ پھر نتیجہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دے۔ اللہ تعالیٰ کامیاب و کامران فرمائے گا۔ اِن شاءَ اللہ

۵ مئی ۱۹۷۷ء۔ بعد نمازِ فجر

ڈسٹرک جیل سرگودھا

(15) اللہ کا پسندیدہ دین اسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ان الدین عند اللہ الاسلام (آل عمران:۱۹)

آج میں آپ کے سامنے یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ اسلام کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بنایا ہے جو کچھ تخلیق کیا ہے اسکو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے ایک وہ جن پر ہمارا اختیار نہیں اور دوسرے وہ جن میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی حکمت سے کچھ اختیار دیا ہے۔ پہلی قسم میں ہماری پیدائش، موت اور شکل وصورت وغیرہ ہیں۔ ہمیں اپنی پیدائش پر کوئی اختیار نہیں۔ اسی طرح موت ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم وقتِ مقررہ سے پہلے مرجائیں یا ہم اگر نہ مرنا چاہیں تو نہ مریں یا جس جگہ ہماری مرضی ہو اسی جگہ ہماری موت آئے۔ ایسے ہی ہماری شکل وصورت ہے، وہ ہمارا قد چھوٹا بنادے یا بڑا، رنگ گندمی بنادے یا کالا سیاہ، ہمارے نقش دلفریب بھی ہوسکتے ہیں اور بھدے بھی۔ لیکن ہمیں انہی کے ساتھ گزارا کرنا ہوگا، جیسے ہمارا ربّ بنائے گا۔ ہم اس سلسلہ میں اپنی مرضی سے کچھ بھی نہیں کرسکتے۔ دوسرے وہ جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے ہمیں کچھ اختیار دیا ہے۔ جیسے بینائی دی اور دیکھنے میں اختیار دے دیا ہے۔ چاہیں تو ہم اس سے وہ چیزیں دیکھیں جن سے خدا نے ہمیں منع فرمادیا ہے اور چاہیں تو اس سے وہ چیزیں دیکھیں جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔ ہم اگر چاہیں تو اس سے سینما، ٹیلی ویژن دیکھتے رہیں، گندے اور فحش ناول پڑھتے رہیں اور اگر چاہیں تو قرآن مجید کی تلاوت کرکے اپنے ربّ کریم کو راضی کرلیں۔ یہ ہمیں اختیار دیا گیا ہے کہ ہم چاہیں تو ان چیزوں کو دیکھیں جن سے ہمارا خالق خوش ہوتا ہے اور اگر چاہیں تو وہ طریقہ اختیار کریں جس سے ہمارا مولائے کریم ناراض ہوجاتا ہے۔ ایسے ہی ہاتھ ہیں، ہم چاہیں تو کسی غریب پر ظلم کرتے پھریں اور چاہیں تو ان سے کسی مظلوم کی مدد کریں۔ چاہیں تو ان سے حلال روزی کما کر اپنی دنیا اور آخرت سنوار لیں اور اگر پسند کریں تو حرام کما کر اپنی دنیا اور آخرت کی بربادی کا سامان کرلیں۔ پاؤں دیئے اور ہمیں اختیار دے دیا کہ چاہو تو جدھر میری رضا ہے چل کر جاؤ، مسجد میں جاؤ نیک مجلس میں جاؤ اور اگر پسند کرو تو برے ٹھکانوں اور مجلس بد میں چلے جاؤ اور اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کرتے پھرو۔

تو ان اُمور میں جن میں ہمیں کوئی اختیار نہیں دیا گیا ہم بالکل بے بس ہیں اور اگر کچھ چاہیں تو بھی نہیں کرسکتے۔ لیکن ان باتوں میں جن میں ہمیں اختیار دیا گیا ہے۔ اس اختیار کو اللہ تعالیٰ کی مرضی اور رضا پر قربان کردینا اسلام ہے۔

یعنی ہماری آنکھ وہی دیکھے جس کے دیکھنے کا خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ ہمارے پاؤں ادھر ہی حرکت کریں جس سے ہمارا ربّ راضی ہوتا ہے اور ہمارے ہاتھ وہی کچھ کریں جس میں مولائے کریم کی رضا ہے۔ ہماری زبان سے وہی کلمات نکلیں جو اس کی خوشنودی کا باعث ہوں اور جس سے اس کی رضا حاصل ہو یہ اسلام ہے۔ اسلام ایک مومن کے دل و دماغ اور نگاہ میں جو عظیم انقلاب پیدا کرتا ہے۔ اس کو سمجھنے کیلئے میں آپ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک صحابی کا واقعہ سناتا ہوں۔

حضرت فضالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک صحابی تھے، وہ اپنے اسلام لانے سے پہلے کا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک روز خانہ کعبہ کا طواف فرما رہے تھے اور میں وہاں تھا۔ میرے دل میں خیال گزرا کہ آج موقع ہے جو کام مکہ کے بڑے بڑے لوگ نہیں کر سکے، آج میں کر دیتا ہوں۔ جب رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پشت میری طرف کریں گے تو میں آپ کی پیٹھ میں خنجر گھونپ دوں گا۔ میں نے ابھی سوچا ہی تھا کہ آپ نے فرمایا: تعال یا فضالۃ اے فضالہ ادھر آؤ۔ فضالہ قریب آئے۔ فرمایا کیا کر رہے ہو؟ فضالہ کہتے ہیں، میں نے عرض کیا کہ عبادت میں مصروف تھا، طواف کر رہا تھا۔ تو دل کی پہنائیوں میں چھپے ہوئے رازوں کو جاننے والے محبوب نے، کائنات کی قسمت بدلنے والے آقا نے فرمایا، فضالہ بڑی مدت دور رہے ہو، میرے قریب آؤ۔ میں قریب آیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میرے سینے پر ہاتھ پھیرا، مجھ پر حقیقت عیاں ہوگئی۔ میرے سینے کی کدورتیں چھٹ گئیں۔ دل کی دنیا بدل گئی۔ میں قدموں میں گر پڑا اور بے ساختہ پڑھا:

﴿ لا الٰہ الا اللّٰہ محمّد رسول اللّٰہ ﴾

اس کے بعد میں اپنے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ اس راستہ میں میری محبوبہ کا گھر تھا۔ جب میں اس کے گھر کے قریب پہنچا تو وہ حسبِ معمول میرا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے میری طرف دیکھا۔ میں نے توجہ نہ دی اور اپنی نگاہیں جھالیں۔ اس نے سمجھا شاید میں ناز و نخرہ کر رہا ہوں اور سوچا جب قریب آئے گا تو ٹھیک ہو جائے گا۔ میرا حسن دیکھ کر بے تاب ہو جائیگا۔ میں اس کے پاس پہنچ گیا۔ لیکن آنکھ اُٹھا کر بھی اس کی طرف نہ دیکھا۔ وہ حیران تھی کہ آج مجھے کیا ہو گیا ہے۔ آخر اس نے مجھے آواز دی کہ فضالہ میں نے کیا غلطی کی ہے۔ مجھ سے کیا جرم سرزد ہوا ہے کہ آج تو میری طرف نظر التفات نہیں کر رہا اور اسطرح بے پرواہی سے گزر رہا ہے جیسے ہم دونوں میں کبھی راہ و رسم تھی ہی نہیں۔

فضالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں، میں نے آنکھیں نیچی کئے ہوئے ہی جواب دیا، پہلے میں تیرا غلام تھا اور آج سے محمدِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا غلام ہوں۔ پہلے تیری زُلف کا اسیر تھا اور آج سے گیسوئے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسیر ہوں۔ پہلے میری زندگی کفر و طغیان کی زندگی تھی مگر آج جس محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا میں نے کلمہ پڑھ لیا ہے وہ مجھے ان باتوں سے منع کرتا ہے۔ اس لئے میں ایسا نہیں کر سکتا۔ چنانچہ میں نے کوئی توجہ نہ دی اور دھیان دیئے بغیر وہاں سے گزر گیا۔

اسلام مسلمانوں کی زندگی میں جو عظیم انقلاب پیدا کرتا ہے، وہ آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ وہی فضالہ تھے جو چند لمحے پیشتر اس محبوبہ پر جان چھڑکتے تھے۔ نگاہِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اثر تھا کہ چند لمحے بعد اس کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔ آپ کی ایک نگاہِ فیض اثر نے حضرت فضالہ کو گمراہی کی وادی سے نکال کر نورِ ہدایت کی وادی میں پہنچا دیا۔ گناہوں کی دلدل سے نکال کر رضائے الٰہی سے آشنا کر دیا۔

حضرت فضالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے جو بینائی عطا فرمائی تھی۔ آپ اس سے اپنی محبوبہ کی طرف دیکھ سکتے تھے۔ لیکن آپ نے اس اختیار کو خدا تعالیٰ کی رضا پر قربان کر دیا اور اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ یہی اسلام ہے اور یہی اسلام کا پیغام کہ بندہ اللہ تعالیٰ کا ہو جائے۔ اپنی ساری خواہشات سے دستبردار ہو جائے۔ جھکے تو اسی کے سامنے اور اگر دامنِ طلب پھیلائے تو اسی کریم کے حضور! انسان کو در در پر دھکے کھانے کی بجائے ہر چیز اللہ تعالیٰ سے طلب کرنی چاہئے۔ جب آپ کو مانگنا ہی ہے تو اس سے مانگو، جس کے دربار سے کوئی خالی ہاتھ واپس نہیں لوٹتا۔ کوئی آرزو تشنہ تکمیل نہیں رہتی۔

حضرت رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، میرا خدا بڑا ہی شرموں والا ہے اور حیاء والا ہے۔ اسے حیاء آتی ہے کہ اس کا گناہگار بندہ اس کے حضور میں ہاتھ اُٹھائے اور پھر وہ خالی ہاتھ واپس آئے۔

لیکن ایک بات ہمیشہ ذہن میں رکھئے کہ خدا سے مانگو تو ایسی چیز مانگو کہ اس کے بعد کسی اور کی طلب نہ رہے۔ ساری اُمنگیں ساری آرزوئیں ختم ہو جائیں اور نا تمام تمنائیں تشنہ نہ رہیں۔ تو میں بیان کر رہا تھا کہ اسلام نام ہی اس چیز کا ہے کہ جن اُمور میں خدا تعالیٰ نے ہمیں کچھ اختیارات اپنی حکمت سے عطا فرمائے ہیں، ہم خدا اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا کیلئے اپنے ان اختیارات سے دستبردار ہو جائیں۔ اگر ہم نے یہ کر لیا تو صحیح معنوں میں مسلمان بن گئے اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں قدم قدم پر ہمارا استقبال کرنے کیلئے بے قرار ہوں گی۔

خدا تعالیٰ ہمیں سچا اور پکا مسلمان بنائے۔ آمین

۴ اپریل ۱۹۷۷ء۔ بعد نمازِ فجر

ڈسٹرک جیل سرگودھا

(16) آسان اور مشکل اُمور سے کیا مراد ہے

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

فاما من اعطیٰ واتقیٰ وصدق بالحسنیٰ فسنیسرہ للیسریٰ ط واما من م بخل واستغنیٰ لا وکذب بالحسنیٰ لا فسنیسرہ للعسریٰ ط (الیل:۵۔۱۰)

آج جو آیت میں نے تلاوت کی ہے اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ عطا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کیلئے آسان چیزیں آسان فرما دیتا ہے اور جو لوگ بخل کرتے ہیں خدا تعالیٰ ان کیلئے مشکلات پر عمل کرنا آسان فرما دیتا ہے۔ اس آیت کا مفہوم شاید میں پوری طرح آپ کو نہ سمجھا سکوں۔ کیونکہ ہوسکتا ہے جو میں کہنا چاہوں وہ صحیح طور پر ادا نہ ہو سکے۔ لیکن اپنے علم کے مطابق میں کوشش کروں گا۔

پہلے جملہ میں اما من اعطیٰ کہ جو لوگ عطا کرتے ہیں۔ کیا عطا کرتے ہیں؟ اسکی تفصیل اس آیت میں بیان نہیں کی گئی۔ مطلب یہ ہے کہ جو کچھ ان کے پاس موجود ہوتا ہے، خدا تعالیٰ کی راہ میں لٹا دیتے ہیں۔ اپنا مال، اپنی جان، سب کچھ اللہ کی راہ میں ضرورت پڑنے پر قربان کر دیتے ہیں۔

تو جو لوگ ایسا کرتے ہیں، خدا تعالیٰ ان کیلئے 'آسانیاں' آسان فرما دیتا ہے اور جو بخل کرتے ہیں، مشکل چیزیں ان کیلئے آسان ہو جاتی ہیں۔

اسلام دین فطرت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر انسان کو اسلام کی فطرت پر پیدا فرماتا ہے۔ تو گویا انسان کی فطرت نیک ہوتی ہے۔ اس کے بعد یہ ماحول ہے جو اسے کبھی فطرت کے مطابق اور کبھی فطرت کے خلاف ڈھال دیتا ہے اور انسان نیک یا بد بن جاتا ہے۔

تو پتا یہ چلا کہ آسان چیزوں سے مراد وہ اُمور ہیں جو فطرت انسانی کے مطابق ہوں یعنی نیکیاں۔ اور مشکلات سے مراد وہ امور ہیں جو فطرت انسانی کے خلاف ہوں۔

رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات جو قرآن مجید کی حقیقی تفسیر ہیں، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: (ترجمہ) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، کوئی تم میں سے ایسا نہیں کہ جس کے ٹھکانے کے بارے میں لکھا نہ گیا ہو کہ وہ جہنم میں جائے گا یا جنت کی پر بہار وادیوں میں۔ اس کا ٹھکانہ اچھا ہوگا یا برا۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! کیا ہم لکھے ہوئے پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائیں اور عمل کرنا چھوڑ نہ دیں۔ فرمایا عمل کرو، عمل کرو۔ کیونکہ ہر شخص کیلئے انہی امور کو آسان کر دیا جاتا ہے جن کیلئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ جو شخص نیک بخت ہوگا اس کیلئے نیک بختی کا عمل آسان کر دیا جائیگا۔ اور جو شخص بد بخت ہوگا اس کے واسطے بد بختی کا عمل آسان کر دیا جائیگا۔ (مشکوٰۃ شریف، کتاب الایمان)

اس حدیثِ مبارکہ نے آیتِ مقدسہ کی تشریح فرمادی۔ اب آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ جولوگ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جانی اور مالی قربانی کرتے ہیں، خدا تعالیٰ انہیں نیکیوں میں مزید ترقی کی توفیق عطا فرمایا کرتا ہے اور نیک اُمور پر عمل ان کیلئے آسان فرمادیا کرتا ہے اور جولوگ بخل کرتے ہیں اور برائی کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں، ان کے آئینہ دل پر گناہوں کا غبار تہہ در تہہ جمتا رہتا ہے۔ ان کا دل زنگ آلود ہوجایا کرتا ہے اور وہ برائی پر عمل کرنے میں آسانی محسوس کرتے ہیں اور انہیں اس میں قطعاً کوئی جھجک یا گرانی محسوس نہیں ہوتی۔

مثلاً شراب حرام ہے۔ وہ آدمی جو نیک ہے اس کیلئے شراب پینا انتہائی مشکل ہے۔ کیونکہ برائی کرنا اس کیلئے مشکل ہوجایا کرتا ہے۔ اس لئے کہ برائی فطرت انسانی کے خلاف ہوتی ہے۔ لیکن ایک برا آدمی اسے پینے سے دریغ نہیں کرتا کیونکہ خلافِ فطرت امور (مشکل امور) پر عمل کرنا اس کیلئے آسان ہوجایا کرتا ہے۔

ہمیں اللہ تعالیٰ کے راستہ پر خرچ کرنا چاہئے اور اس سلسلہ میں بخل سے کام نہیں لینا چاہئے تاکہ اللہ تعالیٰ ہمیں نیکیوں کی مزید توفیق عطا فرمائے۔ یہ نہیں کہ ہم ہزاروں لاکھوں کے حساب سے خرچ کریں بلکہ اگر آپ کے پاس ایک روپیہ ہے تو آپ اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے شرم محسوس نہ کریں۔ کیونکہ وہ تو ذات گرامی ہے جو دلوں کے بھید بھی جانتا ہے۔ چھپے ہوئے راز بھی وہ جانتا ہے کہ میرا یہ بندہ کس نیت سے خرچ کررہا ہے۔ وہاں کثرت وقلت کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ حسن نیت اور خلوص کو دیکھا جاتا ہے جتنا نیت میں خلوص ہوگا اتنا ہی زیادہ اجر ملے گا۔ لیکن اگر نیت میں نام ونمود ہوگا۔ کوئی دنیاوی لالچ ہوگا تو لاکھوں کے ڈھیر بھی رائیگاں جائیں گے۔

ایک جنگ کے موقع پر رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو حکم فرمایا کہ جو کچھ آپ قربان کرسکتے ہیں کریں کہ فوج کیلئے اسلحہ اور دیگر ساز وسامان کی اشد ضرورت ہے۔ صحابہ کرام اُٹھے اور حسبِ توفیق سامان لاکر بارگاہِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر کردیا۔ ایک صحابی جب گھر گئے تو معلوم ہوا کہ آج گھر میں کوئی چیز نہیں ہے۔ عشق نے یہ گوارا نہ کیا کہ وہ خالی ہاتھ دربارِ رسالت میں جائیں۔ انہوں نے ایک یہودی سے جاکر سودا کیا۔ ساری رات مشکیزوں سے اس یہودی کا باغ سیراب کرتے رہے۔ صبح ہوئی تو دو سیر کھجوریں معاوضہ میں ملیں۔ ایک سیر اپنے بال بچوں کو دیں اور ایک سیر کھجوریں لیکر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور آپ کے قدموں میں رکھ دیں۔ رحمۃ اللعالمین نے اپنے جاں نثار غلام کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرا اور حکم دیا، مال وزر کے جو ڈھیر پڑے ہوئے ہیں، ہر ڈھیر پر یہ دو دو، تین تین کھجوریں رکھ دی جائیں۔ ہوسکتا ہے ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ سب کی قربانی منظور ومقبول فرمادے۔

تو یہ ہے حسنِ نیت اور خلوص۔ ہمارا واسطہ اس لجپال سے ہے جو تعداد کو نہیں، دلوں کی نیت کو دیکھتا ہے اور اجرِ عظیم عطا فرماتا ہے۔ تو اگر ہم خلوص سے خدا تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرتے رہیں گے تو اللہ تعالیٰ نیک کاموں میں ہماری مدد فرمائے گا اور ہمارا دل نیکی کی طرف مائل ہوتا جائے گا۔ لیکن اگر ہم بخل سے کام لیں گے اور اپنی فطرت کے خلاف برائیوں میں پھنستے چلے جائیں گے تو ہمارا آئینہ دل دنیا کی آلائشوں سے غبار آلود ہوتا جائے گا اور ہم بڑی بے باکی سے برائی کرتے رہیں گے اور اس میں ہمیں ہرگز شرم و حجاب محسوس نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں نیکیوں کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے دلوں کو نورِ ایمان سے منور کرے۔ آمین

۴ اپریل ۱۹۷۷ء۔ بعد نمازِ فجر

ڈسٹرک جیل سرگودھا

(17) اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی فضیلت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ومن یطع اللہ والرسول فاؤلٰئک مع الذین انعم اللہ علیہم

من النبیّن والشہدآء والصّٰلحین ج و حسن اولٰئک رفیقا ط (النساء:۶۹)

حضرات گرامی قدر! انسان کی پسند پر موقوف ہے جس کو چاہے دوست بنائے لیکن آپ حیران ہوں گے کہ اگر انسان کو پوری آزادی دی جائے تو یہ کن پستیوں میں جا گرتا ہے۔کوئی تاش والے کو دوست بناتا ہے۔کوئی جواری سے اپنی محبت کا رشتہ مستحکم کرتا ہے۔کوئی بدمعاشوں کی سنگت کو پسند کرتا ہے تو کوئی چوروں اور ڈاکوؤں کی ہمراہی اختیار کر لیتا ہے۔

تو یہ چیز ہے کہ اگر اسی کی پسند پر موقوف ہو جائے تو اس کی ہمت کبھی اسکو اس مقام عالیہ تک نہیں پہنچا سکے گی جو اس کا اصلی مقام ہے تو اس کیلئے اللہ تعالیٰ کی رحمت آگے بڑھ کر خود اس کی دستگیری فرماتی ہے اور اسکو اپنی آغوشِ شفقت وراحت میں لے لیا کرتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے ایک دفعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ایک بیہودن عورت آئی۔ اس نے عرض کی اے اُمّ المؤمنین! کئی دن ہو گئے ہیں کچھ کھانے کیلئے میسر نہیں ہوا۔سیّدہ عائشہ نے کاشانہ نبوت میں نگاہ کی تو آپ کو کھجور کا ایک دانہ ملا۔آپ نے وہ دانہ اس عورت کو دیا۔اس عورت نے کھجور کے دو حصے کئے۔آدھا ٹکڑا ایک بچے کو دیا، آدھا دوسرے کو اور خود بھوکی رہی۔ جب اُمّ المومنین نے یہ حالت دیکھی کہ عورت کو خود بھی بھوک لگی ہوئی تھی' یہ خود بھی بے حال تھی' اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ اس کو بہت سخت بھوک ہے۔اس نے اس طرح نہیں کیا کہ آدھی خود کھا لیتی اور آدھی ان دونوں کو دے دیتی۔ بلکہ تمام کھجور ان کو کھلا دی۔ چنانچہ اسی طرح مجسمہ حیرت بن کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تمام واقعہ بیان کیا کہ ماں کو کس طرح اولاد سے محبت ہوتی ہے کہ اس نے خود بھوکا رہنا گوارا کیا اور کھجور بچوں کو کھلا دی تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، واقعی تمہیں تعجب تو ہوا ہوگا لیکن جتنی محبت ماں کو اولاد کے ساتھ ہوتی ہے اس سے کروڑ گنا محبت اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کے ساتھ ہوتی ہے۔

تو جس طرح چھوٹا بچہ چلنے لگتا ہے تو وہ پھسلتا ہے لڑھکتا ہے۔ماں اسکو اُٹھاتی ہے، دلاسا دیتی ہے۔اسی طرح خدا تعالیٰ کی رحمت بھی اپنے ربّ کے راستہ پر چلنے والے کی دستگیری کرتی ہے اور جب بھی شیطان اس کو پھسلاتا ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت آگے بڑھ کر اس کو تھام لیا کرتی ہے۔شاہراہِ حیات پر اللہ تعالیٰ کی رضا کے طالب تو شیطان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی ہے جو دستگیری کرتی ہے۔

اس آیت میں دو چیزوں کا ذکر ہے ایک وہ انعام ورحمت جس سے وہ بندوں کو سرفراز کرتا ہے۔ اور ایک وہ راستہ جو ہم میں انعام کا استحقاق پیدا کرتا ہے۔ منزل بھی بتادی اور منزل تک پہنچنے کا راستہ بھی بتا دیا۔ اس تک پہنچنے کا طریقہ بھی واضح کردیا۔ اگر اب اس منزل تک پہنچنے کی کسی کو خواہش ہو تو ربّ تعالیٰ نے ہماری رہنمائی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ تو اس آیت پاک میں ایک مقام رفیع بتایا اور پھر اس تک پہنچنے کا طریقہ بھی۔ اور اس حقیقت کو واضح کردیا کہ آؤ اگر خوشنودی کی خواہش ہے تو وہ منزل ہے اس کو دوڑ کر پالو۔

پہلے انعام کا ذکر کیا اور پھر انعام حاصل کرنے کا طریقہ بیان فرمادیا۔ اور پھر فرمایا کہ ہم جن پر راضی ہوتے ہیں تو ان کی محبت اور ان کا قلبی تعلق اس گروہ میں سے کسی کے ساتھ کردیتے ہیں۔ یا نبی کے ساتھ یا صدیق کے ساتھ یا شہید کیساتھ یا صالحین کیساتھ۔ لیکن آپ یہ کہیں گے کہ یہ کون سی بڑی بات ہے، سنگت ہوتی تو کسی امیر کے ساتھ ہوتی، کسی وزیر کے ساتھ ہوتی، جہاں مال و دولت کے ڈھیر ہوتے۔ یہ کیا سنگت ہے کہ نبی ہے جس کے گھر میں ایک کھجور کے بغیر کچھ نہیں ملتا ہے۔ صدیق ہے جس کے گھر کپڑے ٹاٹ کے بنے ہوئے ہیں اور وہ شہید ہے جس کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہے۔ کبھی اس کو نیزہ لگتا ہے، کبھی اس کی گردن دشمن کی شمشیر سے کٹ جاتی ہے اور صالح وہ ہے جس کی رات جاگتے گزر جاتی ہے اور دن روزے کی حالت میں بھوکے بسر ہوجاتا ہے۔

تو آپ کہیں گے کہ اس میں کون سی کشش ہے اور یہ کیا سنگ ہے۔ لیکن یہ ہمارا اپنا تصور ہے۔ اگر ہم اس کو ان نگاہوں سے دیکھیں جو حقائق کو دیکھتی ہیں تو پھر معلوم ہوگا کہ اس کا کیا فائدہ ہے۔

حضرت سیّدنا یوسف علیہ السلام کی زندگی جن آزمائشوں سے گزری اس کا تذکرہ آپ بارہا سن چکے ہیں کہ کس طرح بھائیوں نے آپ کو کنویں میں لٹکا کر اوپر سے رسی کاٹ دی تھی۔ کس طرح قافلے والے آپ کو نکال کر لے گئے تھے۔ کس طرح آپ کو مصر لے جاکر بیچا گیا۔ کس طرح وہ زلیخا کے محل میں پہنچے اور کس طرح انہوں نے کئی سال قید خانہ میں گزارے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو مصر کا بادشاہ بنایا اور اس کے خزانے آپ کے تصرف میں دے دیئے۔ اب مصر کا فرمانروا وہ تھا، جس نے چند سال قید خانہ میں لٹکا کر اوپر سے رسی کاٹ دی تھی۔ وہی یوسف ہے جس کو مصر کے بازار میں بیچا گیا تھا۔ وہی یوسف ہے جس کے متعلق مصر کے بازار میں منادی کرائی گئی تھی کہ اس نے اپنی مالکہ کے ساتھ فریب کیا ہے۔ لیکن اب وہی یوسف ہے کہ اس کی پاکدامنی کا اعتراف ملامت گر عورتوں نے بھی کیا ہے۔ وہ تمام تکلیفیں ختم ہوگئیں۔ وہ ساری کلفتیں دور ہوگئیں۔ سارے ارمان مٹ گئے۔ لیکن اس عروج پر پہنچنے کے بعد بھی جو آرزو اور دعا کرتے ہیں وہ حکومت کیلئے نہیں، جاہ وحشمت کیلئے نہیں، بلکہ دست طلب دراز کرکے مانگتے ہیں۔ دامن طلب پھیلا کر عرض کرتے ہیں: اللھم فاطر السمٰوات والارض اے زمین وآسمان کے پیدا کرنے والے! انت ولی فی الدنیا والآخرۃ تو ہی میرا دوست ہے۔ تو ہی میرا معاون ہے۔ تو ہی میرا کارساز ہے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ مجھ پر فضل وکرم کی عنایت کرنے والا تو ہے۔ تیری مہربانی کا میں مشکور ہوں اور تعریف کرنے

کے بعد التجا کی۔ بھیک مانگی، تو کیا؟ کہ تاج وتخت سے دل کو اطمینان حاصل نہیں۔ بلکہ یہ آرزو ہے: توفنی مسلما کہ جب اس دنیا سے رُخصت ہو جاؤں تو ایمان کی دولت سے مالا مال ہو کر جاؤں۔ سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ کا پیارا نبی کیا مانگتا ہے؟ کہ یا اللہ! جب میں اس دنیا سے رُخصت ہونے لگوں تو 'لا الٰہ الا اللہ' کا اعتراف کرتا ہوا اور اسلام کی دولت سے اپنے دامن کو لبریز کرتا ہوا جاؤں۔ اور ایمان کے چراغ سے میرا دل روشن ہو۔ پھر فرمایا والحقنی بالصالحین اور یا اللہ! میری سنگت قیامت کے دن نیک ہستیوں کیساتھ ہو۔ جب لوگ اپنے اپنے دوستوں کیساتھ اُٹھائے جائیں تو میرا حشر حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام کے ساتھ ہو۔ تو یہ نیکوں کی سنگت کا وہ انعام ہے جس کی التجا پیغمبر نے منتہائے مقصود تک پہنچنے کے بعد بھی کی۔

اس انعام کے پانے کی ہمت ہر ایک میں نہیں، بلکہ من یطع اللہ و الرسول جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہو اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کو اپنا شیوہ بنالیتا ہے تو وہ جب حشر کے دن اُٹھے گا تو سراسیم وحیران نہیں ہوگا، بلکہ حضور کے جھنڈے کے نیچے اسے جگہ دی جائے گی اور جس نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کا دم بھرتے ہوئے اپنی زندگی بسر کی تو قیامت کے دن اس کا سر ہوگا اور کملی والے کے جھنڈے کا سایہ ہوگا۔ لیکن یہ انعام سونے والوں کو نہیں ملتا۔ غافلوں کو نہیں ملتا۔ یہ ان لوگوں کیلئے نہیں جو کہنے میں تو مسلمان ہیں، لیکن عمل کے میدان میں صفر ہیں۔ ان کا لقمہ بھی حرام ہے اور لوگوں کے مال پر ڈاکہ بھی ڈالتے ہیں، چوری بھی کرتے ہیں، غیبت بھی کرتے ہیں۔ تو آپ خود بھی اندازہ کیجئے کہ ایسے لوگ کس طرح انعام کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ بلکہ یہ راستہ پر خطر ہے۔ اگر آپ یہ چاہیں کہ پھولوں سے بھی اپنے دامن کو بھر لیں اور کانٹے بھی نہ لگیں تو 'ایں خیال است ومحال است وجنوں'۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کی رضا کے طالب ہو اور شیطان کی پیروی بھی کرو تو اس سے بڑھ کر خود فریبی اور کیا ہو سکتی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی طلب میں نفس کی خواہشات کو کچلنا پڑے گا۔ اور خدا اور رسول کی غلامی کو پیش نظر رکھنا پڑے گا اور جس نے یہ کر لیا، قیامت کے دن جب لوگ نفسی نفسی پکاریں گے اور سورج کی تمازت میں وہ پسینہ میں شرابور ہوں گے اس دن اس کے سر پر اللہ تعالیٰ کی رحمت سایہ فگن ہوگی۔

حقیقت کے متلاشی ان لوگوں کی طرح نہیں ہوتے جو میدانِ عمل میں مفلس ہوا کرتے ہیں یا عمل کے میدان میں شکست کھا جاتے ہیں بلکہ وہ فتوحات کے میدان میں چھپ کر نہیں رہتے اور مال دینے کا وقت آئے تو تن کے کپڑے بھی اُتار کر دے دیتے ہیں۔ ہجرت کا وقت آئے تو مال واولاد اور جاگیر میں سے کوئی چیز بھی ان کے دامن کو نہیں کھینچ سکتی۔ تو فرمایا جو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتا ہے اسے اس کے پاک لوگوں کی سنگت نصیب ہوتی ہے اور پھر فرمایا: و حسن اولٰئك رفیقا اور جن کو یہ سنگت نصیب ہو جائے ان سے بڑھ کر اور ان سے بہتر کسی کا دوست نہیں ہو سکتا۔

دوسری جگہ فرمایا: الا خلاء یومئذ م بعضھم لبعض عدو الا المتقین (الزخرف:٦٧)

تو جب قیامت کا دن ہوگا تو جتنے رفقاء ہوں گے ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔ لیکن وہ جن کا تعلق اللہ کے محبوب بندوں کے ساتھ ہوگا، ان کی دوستی اس وقت بھی قائم رہے گی، جب دنیا کے تمام رشتے ختم ہو جائیں گے تو ان ہی اللہ کے متقی بندوں کے ساتھ دوستی میں ہماری نجات ہے اور یہ ہی بہترین دوست ہیں۔ و حسن اولٰئك رفیقا

پیر مرید کو اس لئے پیار کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستہ پر اس کے بتانے کے مطابق چلتا رہے گا۔ تو فرمایا من یطع اللّٰہ و الرسول کہ جو شخص ربّ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتا ہے تو ہم اس کی سنگت اس کے ساتھ جوڑ دیتے ہیں یعنی انبیاء کے ساتھ، صدیقین کے ساتھ، شہداء کے ساتھ اور صالحین کے ساتھ۔

اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ ایک دن حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتے ہیں۔ چہرے پہ ہوائیاں اُڑ رہی ہیں۔ رنگت زرد پڑ رہی ہے۔ پریشانی کی تصویر بنے ہوئے ہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کو دیکھ کر فرماتے ہیں کہ اے ثوبان! آج رنگت کیوں زرد پڑی ہوئی ہے؟ کیوں پریشان ہو کوئی تکلیف ہے؟ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اور تو کوئی دُکھ نہیں، صرف ایک چیز کے احساس نے زندگی کو تلخ بنا دیا ہے کہ دل کا جو تعلق حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ہے اس کا تقاضا ہے کہ ہر وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کرتا رہوں اور اپنے دل کی دنیا کا سامان کرتا رہوں اور جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت سے غائب ہوں تو پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رُخ انور دیکھنے کیلئے دل بیقرار ہو جاتا ہے پھر دوڑتا ہوا آجاتا ہوں اور اب میرا یہ احساس مجھ کو ستاتا ہے جب تک زندگی ہے اس وقت تک تو میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رُخِ انور تو دیکھ لیا کروں گا لیکن جب قیامت ہوگی تو اگر مجھے جنت میں کوئی جگہ مل بھی گئی تو بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقام بہت اونچا ہوگا اور معلوم نہیں کہ جنت میں مَیں کہاں ہوں گا تو جس جنت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت نہ ہوتی ہو تو اس جنت سے جہنم ہی بہتر ہے۔ بس صرف یہی احساس مجھ کو گھائل کر رہا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے غلام کی بات سنی تو خاموش ہو گئے۔ اسی اثناء میں حضرت جبرائیل علیہ السلام یہ مژدہ لے کر حاضر ہوتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ بتا دو کہ جو اللہ اور اس کے رسول کی پیروی کرتے ہیں اور جن کے دل میں تیرا عشق ہے۔ جو تیرے دیدار کے طالب ہیں، ان کو قیامت کے دن بھی ہجر کے بار نہیں اُٹھانے پڑیں گے اور یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نوازش ہے کہ تم اپنے دل میں چراغ محبت روشن کرو تو محبت کا یہ مقام تمہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدموں میں ڈال دے گا۔ تو یہ ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے ہی مژدۂ جانفزا نہیں تھا بلکہ تمام کیلئے ہے اور فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال سے لطف اندوز ہونے کیلئے یہ مقام بلند ہے جس کی نشاندہی کر دی گئی ہے اس لئے ہمیں بھی اس مقام رفیع تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ آخر ہم کب تک نفس کی خواہشات پر چلتے رہیں گے۔

خدا تعالیٰ نے جو ہمیں مہلت دی ہوئی ہے تو اس لئے کہ کب ہم ہوش میں آتے ہیں اور اس کے ساتھ کب محبت پیدا کرتے ہیں؟ زندگی تو ایک مٹی کے پیالے کی مانند ہے کہ کبھی ٹھوکر لگی اور یہ ٹوٹ گیا اور معلوم نہیں کہ کس وقت حکم آجائے اور سانس کا آنا جانا بند ہو جائے۔ لیکن جبکہ ابھی یہ اعلان ہو رہا ہے اور جب تک زندگی کا یہ چراغ ٹمٹما رہا ہے تو ہم کیوں نہ آج ہی نفس سے اپنی باگ کو کھینچ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دے دیں اور وہ کام کریں جو اس کی رضا کا باعث ہو۔ زندگی کا یہی موڑ ہے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلاموں کو حاصل ہوا انہوں نے کبھی بھی اپنے آپ کو فریب نہیں دیا۔ بلکہ انہوں نے جو عہد و پیمان باندھا اس کو پورا کرنے کیلئے سر دھڑ کی بازی لگا دی تو اس کیلئے ہم بھی سوچیں کہ جب آپس میں وعدہ کرتے ہیں اور اس کو نظر انداز کر کے ہم قابل ملامت ہوتے ہیں تو بھلا اگر ہم اللہ تعالیٰ کے وعدہ کو ایفا نہ کریں تو کیا ہم اس کی رحمت کے قابل ہیں؟ ہرگز نہیں! تو یہی وقت ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کو اپنا لیں، اس کی اطاعت کریں، اس کے احکامات کے سامنے سر نیاز خم کر دیں۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مالا مال ہونے کی کوئی اُمید ہو سکتی ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتا ہے۔ اس کی سنگت ہم ان لوگوں کیساتھ کر دیتے ہیں انبیاء کے ساتھ، صدیقین کے ساتھ یا شہداء یا صالحین کے ساتھ۔ 'و حسن اولٰئك رفيقا'

اور سب سے بہترین اور پائیدار دوستی انہی کی ہے تو اس لئے جب ہم دنیا کی سنگت کیلئے مالی اور جانی قربانی دینے کیلئے تیار ہو جاتے ہیں تو جو وعدہ ربّ کے ساتھ ہے اس کا بھی پاس کریں تا کہ وہ ہم کو اس مقامِ عالی تک پہنچائے جس کی صلاحیت ہماری فطرت میں ودیعت کی گئی ہے۔

﴿ و آخر دعوانا ان الحمد لله ربّ العالمين ﴾

(18) شہادت کی فضیلت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا ط بل احیآء عند ربھم یرزقون لا فرحین بمآ اٰتٰھم اللہ من فضلہٖ (آل عمران:۱۶۹،۱۷۰)

حضرات! قدرت کا یہ اٹل قانون اور قاعدہ ہے کہ زندگی ان کو ہی بخشی جاتی ہے۔ حیات جاوداں ان ہی کو مرحمت فرمائی جاتی ہے جو بڑی خندہ پیشانی سے دعوت اجل کو قبول کرتے ہیں جو راہِ حق میں مرجانا ہی اپنے لئے باعثِ سعادت خیال کرتے ہیں۔ آپ غور فرمائیں کہ جب فصل کاشت کرنے کا موسم آتا ہے۔ گندم بونے کا وقت آتا ہے تو اس کیلئے کیا کیا جاتا ہے۔ کاشت کرنے کیلئے گندم کی ایک مناسب مقدار زمین کی تہہ میں پوشیدہ کردی جاتی ہے۔ اس کے بعد زمین سے کونپلیں نکلتی ہیں۔ پودا بنتا ہے۔ ان پر نئے نئے خوشے لگتے ہیں اور پھر ان میں دانے بنتے ہیں۔ اب غور کریں کہ اگر کوئی کسان گندم بونے کے وقت یہ خیال کرے کہ یہ دانے جواب میرے پاس موجود ہیں، ان کو میں جان بوجھ کر خاک میں کیوں ملادوں، زیرزمین کیوں دبادوں۔ معلوم نہیں فصل ہوگی یا نہیں۔ موسم کے حالات مساعدت کریں یا نہ کریں۔ تو جب دوسرے لوگ سینکڑوں من غلہ گھر لائیں گے تو کیا اس فلسفی کو بھی کوئی چیز ملے گی؟ جو اس وقت عقل مند بنا تھا اور اس وقت اپنے منطقی استدلال سے چند من اناج بچالیا تھا۔ ہرگز نہیں۔ تو وہ لوگ جنہوں نے گندم کی کچھ مناسب مقدار تہہ میں پوشیدہ کردی تھی۔ ان کے انجام کو بھی دیکھیں اور اس وقت عارضی بچت کرنے والے فلسفی کے انجام کو بھی نگاہ میں رکھیں کہ کون گھاٹے میں رہا اور کون نفع میں۔ دائمی نقصان کس نے کیا اور منافع کا سودا کس نے؟

اسی طرح جیسے کچھ لوگ آج اس تحریک میں اس لئے شامل ہونے سے گریزاں ہیں کہ پتا نہیں یہ تحریک کامیاب ہوگی یا نہیں۔ حالات مساعدت کریں گے یا نہیں۔ ایسے فلسفیوں کا انجام وہی ہوگا جو اس کسان کا ہوا کرتا ہے۔ جو خطرات کے خوف سے یا فرضی ناکام کے احساس سے فصل کاشت کرنے سے گریزاں رہتا ہے اور فتح و کامرانی، عزت و شہرت انہی کے مقدر میں ہوا کرتی ہے جو ہر چیز سے بے نیاز ہوکر دیوانہ وار خدا کے راستہ میں قربان ہوجایا کرتے ہیں۔ حیات جاودانی انہی کو عطا کی جاتی ہے جو اپنے سر خاک میں ملا دیتے ہیں۔ وہ قوم جو ذلت کی زندگی بسر کرنے پر قانع ہوجاتی ہے، اس کا نام و نشان بھی صفحہ ہستی سے مٹ جایا کرتا ہے۔ کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ حیاتِ ابدی اسی قوم کو مرحمت کی جاتی ہے جو مرنے مارنے کیلئے تیار ہوجاتی ہے۔ جن کا لگاؤ عزت کی زندگی سے ہوتا ہے۔ جو گیدڑ کی سو سالہ زندگی پر شیر کی ایک دن کی زندگی کو ترجیح دیتی ہیں۔ جو بے خطر نارِ نمرود میں کود جایا کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ نظام عالم جس پر ساری کائنات کی فلاح کا دارومدار ہے اس کو اس بات کی ضرورت تھی کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کرایا جاتا۔ اس کو ضرورت تھی کہ گلشنِ نبوت کی تازہ کلیوں کو مسل کرایا جاتا۔ اس کو ضرورت تھی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہوں اور مقدس خون کے قطروں سے زمین لالہ زار بنے۔ کیونکہ تب ہی تو اسلام تمام حوادثات سے محفوظ ہوسکتا ہے۔ یہی وہ قاعدہ ہے جس کو محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وضاحت سے کر دکھایا اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کو اس پر عمل کرنے کی تلقین فرمائی۔ کیونکہ یہ اصل قانون ہے کہ جب تک چراغ نہ بجھائیں جائیں افق پر سورج طلوع نہیں ہوا کرتا۔ ہمارا خون بہے گا تب ہی اسلام میں بہار آئے گی، تب ہی اس کے غنچے مہکیں گے۔ اور ان کی خوشبوئیں عالم انسانیت کو بیدار کریں گی۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کبریٰ کو اپنے کلام پاک میں واضح فرمایا: و لا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا کہ اے زندگی اور موت کو دماغ کے پیمانے اور معیار پر ماپنے والو! اے زندگی کو عقل کی کسوٹی پر رکھنے والو! تمہارے یہ تمام معیار، تمہارے یہ تمام پیمانے غلط ہیں۔ آؤ ہم تم کو بتائیں کہ زندہ کون ہے اور مرنے والا کون ہے۔ زندہ وہ نہیں جو سانس لیتا ہے، جو کھاتا پیتا ہے۔ زندہ وہ نہیں جس کو زندگی کی تمام آسائشیں مہیا کی جاتی ہیں۔ بلکہ زندہ وہ ہوتا ہے جو اپنی جان کو خدا تعالیٰ کے سامنے پیش کر دیتا ہے جو زخموں سے گھائل ہو کر اپنے محبوبِ حجازی صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں پہنچ کر فزت برب الکعبۃ 'ربِّ کعبہ کی قسم میں زندگی کی بازی جیت گیا' کا نعرہ مستانہ بلند کر کے اپنی جان، جانِ آفرین کے سپرد کر دیا کرتا ہے۔ ارے زندہ وہ ہے جو زخموں سے تڑپ رہا ہو اور پھر بھی یہ کہے ؎

وہ مزا دیا تڑپ نے کہ یہ آرزو ہے دل میں
میرے دونوں پہلوؤں میں دل بے قرار ہوتا

کیا تم یہ سوچتے ہو کہ جب تک آنکھیں جھپکتی رہیں، اندام و اعضاء حرکت کرتے رہیں، قدم اُٹھتے ہیں، اس وقت تک وہ زندہ انسان ہے۔ نہیں نہیں! زندہ وہی ہوتا ہے جو عظمتِ اسلام پر اپنا سر کٹا دیتا ہے اور جو دین محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ناموس پر اپنے چہرہ کو خون آلود کر کے خالق حقیقی سے جا ملتا ہے۔ ؎

زندہ ہوجاتے ہیں جو مرتے ہیں حق کے نام پر
اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کر دیا

و لا تحسبن کہ گمان بھی مت کرو، جنگِ اُحد کے بعد جب ستر صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) شہید ہو جاتے ہیں اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی جامِ شہادت نوش فرما جاتے ہیں تو ہندہ نے حمزہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے شکم مبارک کو شق کیا۔ کلیجہ و دل باہر نکالا، آنکھیں نکال دیں، کان کاٹ دیئے۔ جب یہ سارے کام کر بیٹھی تو فرطِ غیظ سے اس نے اس دل کو نگلنا چاہا جس میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور عشقِ مصطفیٰ کا چراغ روشن تھا لیکن وہ نگل نہ سکی۔ جب مسلمان واپس آئے تو کہنے لگے فلاں بھی مر گیا اور فلاں بھی تو اللہ تعالیٰ کی غیرت نے گوارا نہ کیا کہ جن پروانوں نے شمع اسلام پر اپنی حیات کو قربان کر دیا اس کو مردہ کہا جائے۔ تو زبانِ ایزدی گویا ہوئی۔ وہ زبان جس کی گونج تحت الثریٰ سے عرش تک یکساں ہے اور جس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ اس زبان نے فرمایا: و لا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا کہ تمہاری زبان یہ کہنے کی جسارت تو کہاں کرے بلکہ تمہارے دل میں بھی یہ خیال نہ آنا چاہئے کہ وہ مردہ ہیں۔ بل احیآء عند ربھم بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے ربّ کے پاس۔ یرزقون فرحین اور جو اللہ تعالیٰ نے فضل وکرم کی بارش ان پر کی ہے اس سے خوشی منا رہے ہیں اور ان کی عنایت بے پایاں خوش ہیں اور جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے ان پر نازل کی ہیں اس سے خوشی منا رہے ہیں۔ اس پر شاداں ہیں۔

برتر از اندیشہ سو دو زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیمِ جاں ہے زندگی

(اقبال)

یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور یہی وہ سبق ہے جو رحمتِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کے لوحِ قلب پر اتنا واضح لکھ دیا کہ انہیں کبھی بھی اس میں تردد و شک نہ گزرا بلکہ وہ تو دامنِ طلب پھیلا کر دعائیں کرتے تھے کہ جب اس دنیا سے رُخصت ہوں تو خونِ شہادت سے چہرہ سرخ ہو اور اسی طرح تیرے حضور میں حاضر ہوں۔

عبداللہ ابن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُحد کے میدان میں اپنے ایک ساتھی کو لے کر گئے اور کہا کہ تم نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد سنا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو دعا بھی میدانِ جہاد میں کی جاتی ہے اس کو اللہ تعالیٰ شرفِ قبولیت بخش دیا کرتا ہے اس لئے اب قبولیت کا وقت آ گیا ہے۔ پہلے صحابی نے التجا کی' دستِ طلب پھیلایا کہ جب کفر و باطل اپنی ساری قوتیں لے کر حق کے سامنے آئے تو یا اللہ! مجھ کو بڑے بڑے گبر کافروں کو تہہ تیغ کرنے کی ہمت و جرأت عطا فرما اور اس کے بعد خیر و عافیت سے واپس جاؤں۔ عبداللہ ابن جحش نے 'آمین' فرمائی۔ پھر عبداللہ نے دعا مانگی، یا اللہ! جب حق و باطل کی جنگ ہو تو میں دشمنوں کے ہلے میں ثابت قدم رہوں اور کئی دشمنوں کو قتل کر دوں اور جب میں مارنے کی حسرت پوری کر چکوں تو میں شہید ہو جاؤں۔ اس پر بھی عاشق کا دل اِکتفا نہیں کرتا۔ بلکہ دعا مانگتے ہیں کہ یا اللہ! کافر مجھے شہید کرنے کے بعد

میرا ناک بھی کاٹ دیں، آنکھیں بھی نکال دیں اور کان بھی الگ کردیں، پیٹ بھی چاک کردیں اور پھر اسی حالت میں مجھے سپردِ خاک کیا جائے تا کہ جب قیامت کا دن ہو اور آدم علیہ السلام سے لے کر تمام رُسل علیہم السلام، صحابہ عظام اور اولیائے کرام اور علمائے کرام کا جمگھٹا ہوگا اور تیری مخلوق جواب دہی کیلئے لرزاں ہوگی۔ ہر سو سکتہ کا عالم طاری ہوگا۔ بزمِ محشر برپا ہوگا اور تو مجھ سے پوچھے گا: یا عبد اللّٰہ فیما قطع انفك و فیما قلع عینك و فیما جدع اذنك کہ اے عبداللہ! تجھ سے کون سی خطا سرزد ہوئی تھی جس میں تیرا ناک اور کان کاٹ دیئے گئے اور تیری آنکھیں نکال دی گئیں تو اسوقت میں جواب دونگا فیك و فی رسولك کہ اے اللہ! میں نے کسی کو تکلیف نہیں پہنچائی تھی۔ میرا کوئی جرم نہیں تھا بلکہ یہ میرا حال اس لئے کیا گیا کہ میرے دل میں تیری اور تیرے رسول کی محبت کی شمع فروزاں تھی۔ عشق کا چراغ روشن تھا۔

دردی نہ کردہ ایم وسکے را نہ کشتہ ایم
جرم ہمیں کہ عاشق روئے تو گشتہ ایم

(اقبال)

آپ یہ التجا کرتے ہیں۔ دوسرا ساتھی آمین کہتا ہے اور اس کے بعد لڑنا شروع کردیتے ہیں۔ ہر آدمی کو یہ حوصلہ نہیں ہوسکتا۔ ہر آدمی سلامت رہنا چاہتا ہے۔ بلکہ یہ التجا آقا علیہ السلام کے وہی غلام کرتے ہیں جن کے سامنے زندگی کی پوری حقیقت پوری تابانی کے ساتھ روشن ہوچکی ہوتی ہے۔ وہی شہادت کا سوال کرتے ہیں۔ اور انہی کے دل میں یہ جوان اُمنگیں اور جذبے اُٹھتے رہتے ہیں۔ چنانچہ میدانِ جنگ میں وہ کام کرتے رہے اور جس طرح دعا کی تھی، اسی طرح ان کو عزت سے نوازا گیا اور عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے اور ان کا مثلہ کیا گیا اور یہ بھی یقین ہے کہ قیامت کا دن جب ہوگا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عاشق صادق اس بہتے ہوئے خون کے ساتھ پیش ہوگا اور اس کیفیت کا اندازہ آپ خود ہی لگا سکتے ہیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ کا جلال رحمت میں تبدیل ہوجائے گا۔

بنا کرند خوش رسمے بخاک و خون غلطید ند
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

کیا بہترین رسم ہے کہ ربّ تعالیٰ کی رضا میں جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کرا دیئے جائیں اور ان کو بطورِ تحفہ ربّ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے۔

یہی سبق تھا جو شہیدِ کربلا نے میدانِ کربلا میں فرات کے کنارے ساری معصوم کلیوں کو مثل کروا کے پیش کیا تھا۔ اور یہی وہ سبق تھا جس کو محمود غزنوی نے سومنات پر پیش کیا تھا۔ اور یہی وہ سبق تھا جس کیساتھ صلاح الدین ایوبی نے پورے یورپ کا منہ توڑ جواب دیا تھا۔ اور یہی وہ سبق تھا جو کھیم کرن اور سیالکوٹ کے محاذ پر پیش کیا گیا۔ اور یہی وہ محبت کی چنگاری ہے جو محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل ہمارے اعمال کی سراسیمگی کے باوجود تابندہ و درخشندہ ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آج ہمارے اعمال روح کے اعضاء و قوی کو زنجیروں میں جکڑ دیں اور کوئی پہچان بھی نہ سکے۔ بلکہ ہماری بیداری ہوا و ہوس سے ابدی چھٹکارا ہو۔ اور ہمارا یہ شوق فراواں سے فراواں رہے اور یہ فزوں سے فزوں تر رہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں سر کٹاتے ہیں' زندہ ہیں۔ اور جس کو خدا زندہ رکھے' کس کی زبان کو زیب دیتا ہے کہ وہ اس کو مردہ کہے۔ آؤ تاریخ میں نگاہ ڈالیں۔

مؤطا امام مالک میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلام عمرو بن جموح پاؤں سے لنگڑے تھے۔ وہ بدر کے میدان میں حاضر نہیں ہو سکے تھے اور ان کو اس کا بڑا ملال تھا۔ چنانچہ اُحد کے میدان میں شوقِ شہادت سے بے تاب ہو کر جنگ میں شامل ہونے کی اجازت طلب کی۔ آپ کے پاس چند کھجوریں تھیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کرنے لگے اگر میں مارا جاؤں تو مجھ کو کیا ملے گا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیرے اس دنیا سے رُخصت ہونے کی دیر ہے، جنت کے دروازے تیرے لئے کھول دیئے جائیں گے۔ خدا تعالیٰ کی رحمت تجھے آغوش میں لے لے گی۔ اور ربّ تعالیٰ کی ابدی نعمتیں تیری چشم براہ ہوں گی۔ تو وہ عرض کرنے لگے۔ اگر یہ ثواب ہے تو پھر میری بڑی کم فہمی اور قرینِ مصلحت کے خلاف ہے کہ اتنی بھی تاخیر کی جائے کہ کھجوریں کھا کر جنگ کروں۔

چنانچہ وہاں ہی میدان میں لڑتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا۔ اُحد کے میدان میں ان کا مزار ہے۔ ۴۱ھ میں وہاں سے پانی کی موجیں گریں اور مٹی الگ ہو گئی اور جسدِ اطہر ظاہر ہو گیا، تو خبر کی گئی۔ آپ کو جامِ شہادت نوش کئے 68 سال ہو گئے تھے۔ لیکن کیا دیکھتے ہیں کہ جہاں زخم ہے وہاں ہاتھ رکھا ہوا تھا اور کفن بھی ابھی تک بوسیدہ نہیں ہوا تھا۔ اور لاش مبارک پر کوئی موت وغیرہ کا نشان تک نہیں ہے۔ اور جب ہاتھ زخم سے اُٹھایا تو خون کا فوارہ بہہ نکلا اور جب ہاتھ چھوڑا گیا تو پھر وہ زخم کے دہانے پر جا لگا اور خون بند ہو گیا۔ اور اللہ پاک نے یہ دکھا دیا کہ جو میرے لئے جامِ شہادت نوش کریں وہ زندہ ہیں۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جو میری راہ میں جان دے دیتے ہیں وہ زندہ ہیں۔ اسی صدی کا واقعہ ہے کہ دریائے دجلہ کے کنارے پر عبداللہ بن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار تھا۔ دریا نے مٹی گرانی شروع کی۔ عبدالحق جو وہاں موجود تھے، لکھتے ہیں کہ دریائے دجلہ اس قبر مبارک کے قریب آ گیا تو حکومت عراقی نے سوچا کہ کہیں نعش مبارک کی بے حرمتی نہ ہو تو انہوں نے یہ تجویز کی کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جوارِ اقدس میں ایک نئی قبر کھودیں تا کہ ان کو دفن کر دیا جائے۔ وہ بغداد کا شہر جو کہ عراق کا دارالخلافہ تھا اور جہاں ساری دنیا کے سفیر موجود تھے۔ جب ان کو معلوم ہوا کہ آج نعش مبارک کو سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احاطہ میں دفن کرنا ہے تو انہوں نے بھی یہ چاہا کہ دیکھیں تو سہی کہ خدا تعالیٰ نے جو فرمایا ہے جو میری راہ میں جان قربان کرتا ہے وہ زندہ ہے۔ اس میں کہاں تک صداقت ہے تو سفیر جن میں عیسائی بھی تھے اور یہودی بھی۔ کفار بھی تھے اور مسلمان بھی، سب جمع تھے۔ تقریباً دس ہزار کا جمگھٹا تھا۔ سیّد الطاف حسین نے فرمایا کہ میں نے جسدِ اطہر کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ اس قبر میں دو لاشیں تھیں۔ ایک کی داڑھی سفید تھی اور ایک کی سیاہ تھی اور انکے کفن تک بھی ابھی بوسیدہ نہیں ہوئے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ابھی کہیں آ کر سوئے ہیں۔ یہ پتا ہی نہیں چلتا تھا کہ ان کو چودہ سو سال گزرے ہیں۔ تو فرمایا: ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا کہ جو میری راہ میں قربان ہو جائیں ان کو مردہ گمان بھی مت کرو بلکہ وہ زندہ ہیں۔ یہ کسی راوی کا قول نہیں، کسی محدث کا قول نہیں بلکہ یہ تو احکم الحاکمین کا فرمان ہے کہ بل احیآء عند ربھم اور ربّ تعالیٰ نے ان پر نوازشات فرمائی ہیں اور جو اللہ پاک نے فضل کی بارش کی ہے اس سے وہ پھولے نہیں سماتے تو یہ ہے شہداء کی اُخروی زندگی کی جھلک۔

آیئے ہم اللہ تعالیٰ کے حضور عہد کریں کہ ہم مقامِ مصطفیٰ کے تحفظ اور نظامِ مصطفیٰ کے نفاذ کیلئے اپنی زندگیاں بھی قربان کرنے سے دریغ نہ کریں گے۔ جنت کی بہاریں خدا اور رسول کی رضا انہی کا مقدر ہوا کرتا ہے جو خنجر قاتل کو ہلال عید سمجھ لیا کرتے ہیں۔ جو خدا اور رسول کی رضا کیلئے مٹ جانا ہی باعثِ سعادت سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسلامی جذبہ اور دین پر مر مٹنے کی تڑپ نصیب کرے۔ آمین

☆ ☆